بسم اللہ الرحمن الرحیم


بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان


# ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور


زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

صفر ۱۴۴۱ھ

اکتوبر ۲۰۱۹ء

جلد نمبر ۴۳ شمارہ ۱۰



## مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

## مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی مصباحی



**ترسیل زر و مراسلت کا پتہ**

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

**THE ASHRAFIA MONTHLY**

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 250 روپے

**چیک اور ڈرافٹ**

بنام

**مدرسہ اشرفیہ**

بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر 15 £ پونڈ

**نوٹ**: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس مصباحی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

# مشمولات


| | | | |
|---|---|---|---|
| اداریہ | وہ باتیں جن سے زندگی سنورتی ہے | مبارک حسین مصباحی | ۳ |

**فکریات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| فکرِ نو | عصرِ حاضر میں مذاہب کی تعلیم: توقعات اور موانع | مفتی محمد رضا مصباحی | ۷ |

**فقہیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| آپ کے مسائل | کیا فرماتے ہیں............. | مفتی محمد نظام الدین رضوی | ۱۲ |

**نظریات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| فکر امروز | بغیر ثبوت آتنک وادی بتانے کا رجحان | حافظ محمد ہاشم قادری | ۱۴ |

**گوشۂ مخدوم اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ**

| | | | |
|---|---|---|---|
| خم خانۂ غوث | غوث العالم کی تعلیمات اور عصرِ حاضر میں ان کی افادیت | مفتی محمد منظر حسن اشرفی مصباحی | ۱۶ |
| باہمی رشتے | خانوادۂ اشرفیہ اور خانوادۂ رضویہ کے علمی و روحانی تعلقات | مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی | ۲۳ |
| سلاسل روحانیت | مخدومِ سمناں-طریقۂ بیعت اور شرائطِ شیخ و مرید | مفتی زین العابدین اشرفی | ۲۸ |
| حیاتِ مخدوم | مخدوم سید اشرف سمنانی-حیات و خدمات | مولانا محمد ابوہریرہ رضوی مصباحی | ۳۲ |

**سیاسیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| آئینۂ وطن | زبان کے نام پر وزیرِ داخلہ کی ایک نئی سیاست | وزیر احمد مصباحی | ۳۸ |

**بزم دانش**

| | | | |
|---|---|---|---|
| فکر و نظر | دینی جلسوں کا معیار: ایک تعمیری جائزہ | مولانا توفیق عالم مصباحی/مولانا فیضان سرور مصباحی | ۳۹ |

**ادبیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| نقد و نظر | وسیلۂ نجات | تبصرہ نگار: مہتاب پیامی | ۴۵ |
| خیابانِ حرم | نعتیں | مولانا محمد مجاہد حسین رضوی حسنؔ/مہتاب پیامی | ۴۶ |

**وفیات**

| | | | |
|---|---|---|---|
| سفرِ آخرت | آہ! صوفی ضامن علی رحمۃ اللہ علیہ/الحاج محمد ظہور انصاری نے داعیِ اجل کو لبیک کہا | مولانا محمد عرفان قادری/محمد مجسم رضا | ۴۸ |

**مکتوبات**

| | | |
|---|---|---|
| صدائے بازگشت | دو حرفی Tripple ہی ناری کی بھلائی/مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ۳۳ برس بعد حاضری کی سعادت | ۴۹ |

**سرگرمیاں**

| | | |
|---|---|---|
| خیر و خبر | محلہ علی نگر میں منعقد جلسہ شہدائے کربلا/امام حُسین رضی اللہ عنہ حق و صداقت کا روشن چراغ تھے/ ذکرِ شہدائے کربلا | ۵۴ |

اداریہ

# وہ باتیں جن سے زندگی سنورتی ہے

مبارک حسین مصباحی

یہ ایک سچائی ہے کہ دنیا میں بے شمار ادیان ہیں، مگر سچ یہی ہے کہ ان میں واحد دین مذہب اسلام ہی حق اور سچ ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ۛ (آلِ عمران، آیت:۱۹) ترجمہ: اللہ کے نزدیک دین مذہبِ اسلام ہے۔

اس دنیا کے پہلے انسان، عظیم منصب والے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام تھے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے کثیر مراتب کے ساتھ علم و حکمت سے سرفراز فرمایا تھا۔ ان کی تخلیق پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو باخبر فرمایا کہ میں اپنا نائب اور خلیفہ بنانے والا ہوں، فرشتوں نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ! تو فتنہ و فساد اور خوں ریزی کرنے والی مخلوق پیدا فرما رہا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں سے تمام اشیا کے ناموں کے بارے میں سوال فرمایا تو انھوں نے حمد و ثنا کر کے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! ہم تو وہی جانتے ہیں جن سے تو نے باخبر فرمایا، بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ جب ان تمام چیزوں کے بارے میں حضرت آدم علیہ السلام سے دریافت فرمایا تو انھوں نے باادب بارگاہِ الٰہی میں ان چیزوں کے اسما بیان کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس حقیقت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

وَ اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ؕ قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَ يَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۰ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـئُوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۳۱ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝۳۲ قَالَ يٰٓـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ۝۳۳ (البقرۃ، آیت: ۳۰تا۳۳)

اور یاد کرو جب تمھارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خوں ریزیاں کرے گا اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں، فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام (اشیا) کے نام سکھائے پھر سب (اشیا) کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ؟ بولے: پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ فرمایا: اے آدم! بتادے انہیں سب (اشیا کے) نام، جب اس نے (یعنی آدم نے) انہیں سب کے نام بتادیے، فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

یہاں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، خلیفہ دراصل احکام و اوامر کے اجرا اور دیگر تصرفات میں اصل کا نائب ہوتا ہے، دیگر انبیا بھی اپنے اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہیں، یہاں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو باخبر فرمایا تھا تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ میں ایک عظیم مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں، یہاں فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعتراض نہیں کیا تھا، بلکہ اپنی بات انتہائی ادب و احترام کے ساتھ پیش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری فرشتوں پر ظاہر فرمائی تو بطور دلیل علم و آگہی کو پیش فرمایا، مطلب یہ ہوا کہ ایک انسان اگر فرشتوں پر بلند ہے تو اس کی بنیادی وجہ علم و حکمت ہے۔ آخری پیغمبر کی حیثیت سے رسولِ اعظم محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے انھیں تمام مخلوقات پر بلندی اور سرفرازی عطا فرمائی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے وجہِ کائنات بنایا، آپ تمام رسولوں کے رسول اور تمام نبیوں کے نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کا تخلیقی تقدم حقیقی ہے، دیگر اشیا کا تقدم مجازی ہے، جیسا کہ امام عبد الرزاق صنعانی قدس سرہ نے اپنی سند کے ساتھ اس طویل

حدیث کوروایت فرمایاہے۔آپ اس حوالے سے مصنف عبدالرزاق کی روایت کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیے:

عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنكدر عن جابر قال: سألت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم : عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ الله تَعَالیٰ ؟ فَقَالَ هُوَ نُوْرُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ ثُمَّ خَلَقَ فِيْهِ كُلُّ خَيْرٍ ، وَخَلَقَ بَعْدَهٗ كُلُّ شَيْءٍ. (الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنف، طبع بيروت و لاهور، ص:٦٣)

امام عبدالرزاق معمر سے وہ ابن منکدر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ توآپ نے فرمایا: جابر! وہ تیرے نبی کا نور تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر خیر اور بھلائی کو پیدا کیا اور اس کے بعد ہر شے کو پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کو بے شمار معجزات اور کمالات عطا فرمائے، آپ کو علم غیب عطا فرمایا، آپ آخری نبی ہیں، اب آپ کے بعد صبح قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، اس حوالے سے قرآن عظیم اور احادیث کریمہ میں بے شمار دلائل و شواہد ہیں، ہمیں یاد آیا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ کے تعلق سے بھی ایک مستند روایت ہے۔ حضرت امام اعظم (۸۰ھ —۱۵۰ھ) کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا: "مجھے موقع دو کہ میں اپنی نبوت کی علامات پیش کروں۔" اس پر امام اعظم قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ: "جو شخص اس سے نبوت کی کوئی علامت طلب کرے وہ بھی کافر ہو جائے گا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ "لا نبي بعدي "یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ لابن احمد المکی، ج: ۱، ص:۱۶۱، مطبوعہ حیدر آباد، ۱۳۲۱ھ)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بظاہر اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر حقیقی طور پر وہ آج بھی اپنی قبر انور میں حیات ہیں، آج بھی تصرفات فرما رہے ہیں۔ ان کے فیوض و برکات کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ہر انسان کی زندگی کے سال اور وقت مقرر ہیں، جو انسان بھی اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اسے ایک دن اس دنیا سے چلے جانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ "۔ یعنی ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ مومن ہو یا کافر، حق پرست ہو یا باطل پرست، اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں کا ماننے والا ہو یا منافق و گستاخ، خوش عقیدہ ہو یا بد عقیدہ، موت کسی بھی طرح آئے اس سے منکر نکیر سوالات فرماتے ہیں، بندہ جیسا ہوتا ہے فرشتے بھی اسی انداز سے سوالات کرتے ہیں، اس سلسلے میں ہم حضرت براء بن عازب سے مروی طویل حدیث کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں

وَ يَأْتِيْهِ الْمَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: رَبِّيَ اللهُ. فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا دِيْنُكُ؟ فَيَقُوْلُ: دِيْنِيَ الإِسْلَامُ. فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هوَ رَسُوْلُ اللهِ. فَيَقُوْلَانِ: وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ، فَآمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ.

اُس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اُس کو بٹھا لیتے ہیں، اور بولتے ہیں: تیرا رب کون؟ وہ بولتا ہے: میرا رب اللہ۔ پھر وہ بولتے ہیں: تیرا دین کیا؟ وہ بولے گا: میرا دین اسلام۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: یہ کون جو تم میں مبعوث ہوا؟ وہ کہے گا: اللہ کا رسول۔ وہ سوال کرتے ہیں کس چیز نے تمھیں شناسائی کرائی، وہ کہتا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کی تو ان پر ایمان لایا اور میں نے تصدیق کی۔

وَ يَأْتِيْهِ الْمَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ لَاأَدْرِیْ. فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ لَاأَدْرِیْ. فَيَقُوْلَانِ لَهٗ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ هَاهْ لَاأَدْرِیْ.

اُس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اُس کو بٹھا لیتے ہیں، اور بولتے ہیں: تیرا رب کون؟ وہ بولتا ہے: ہائے ہائے، میں نہیں جانتا۔ پھر وہ بولتے ہیں: تیرا دین کیا؟ وہ بولے گا: ہائے ہائے، میں نہیں جانتا۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: یہ کون جو تم میں مبعوث ہوا؟ وہ کہے گا: ہائے ہائے، میں نہیں جانتا۔

(ابوداود ۴۷۵۳، مسند احمد ۱۸۰۶۳)

جب کہ بخاری (۱۲۷۳) کے الفاظ ہیں، بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ:

وَأَمَّا الْكَافِرُ أَوِ الْمُنَافِقُ فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِيْ، كُنْتُ أَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ، فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ.

رہا کافر یا منافق، تو وہ جواب دیتا ہے: میں نہیں جانتا میں وہی کہہ دیا کرتا تھا جو لوگ کہتے۔ اُس سے کہا جائے گا: نہ تونے سمجھا اور نہ تونے پڑھا۔

اسی لیے قبر کی گہرائی بھی میت کے قد کے برابر بہتر ہے، ہمارے کثیر علمائے کرام، مشائخ عظام اور صالحین کی قبریں گہری ہوتی رہی ہیں اور آج بھی ہوتی ہیں۔ اگر سینے کے مساوی ہو جب بھی ٹھیک ہے اور نصف قد کے برابر ہو جب بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ مردہ گستاخ، بے ادب اور بد عقیدہ ہے تو اس کا جواب هاه هاه لا ادری (ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا) کے سوا کچھ نہیں ہوگا، اس کے ساتھ منکر نکیر وہی عمل فرمائیں گے جو جہنمیوں کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی رحمت و شفاعت نصیب فرمائے۔

یہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محبوب ﷺ کو علم و حکمت کا بحرِ ناپیدا کنار بنایا ہے، اس سلسلے میں یہ حدیثِ پاک ملاحظہ فرمائیے۔ آقا ﷺ فرماتے ہیں:

قال قال رسول الله ﷺ: أنا مدينة العلم و أبو بكر أساسها و عمر حيطانها و عثمان سقفها وعلي بابها. (رواه الحاكم الطبراني، ۱۰۹۰-۱۰۸۹، الشوقاني ۳۰۸-۳۰۷، القول المجموعه)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس کی بنیاد ہیں، عمر اس کی دیوار ہیں، عثمان اس کی چھت ہیں اور علی اس کے دروازہ ہیں۔

اس حدیثِ پاک سے آقا ﷺ کے ساتھ خلفائے راشدین کے علم و حکمت کے مقام امتیاز اور علمی بلندی کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان خلفائے راشدین کی ترتیب پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے بد عقیدہ لوگوں کی بد عقیدگی بھی نمایاں اور بے نقاب ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ سب کو عقل سلیم اور کامل دینی شعور سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

یہ بھی اپنی جگہ حق ہے کہ متعدّد روایتوں میں "أنا مدينة العلم وعلي بابها" بھی آیا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے تارک سلطنت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی قدس سرہ العزیز کا معروف رسالہ "بشارت المریدین" ہے، اس رسالے میں حضرت اقدس کے قلم سے یہ تحریر موجود ہے:

"ہم اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کے تمام اصحاب کی فضیلت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ تمام مسلمانوں میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق اور ان میں سب سے افضل ابوبکر بن قحافہ تھے، پھر عمر پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم۔ ہمارے تمام فرزندان، برادران، اور محبین و معتقدین کو یہ یاد رہے کہ ہم اسی پر تھے اس پر ہیں، اور ہمیشہ اسی پر رہیں گے۔ (انشاء اللہ)" (حجۃ الذاکرین مع رسالہ قبریہ، ص:۱۹)

عالمی سطح پر عہدِ حاضر میں مسلمانوں کے جو حالات ہیں ان سے ہم اور آپ سب کچھ نہ کچھ واقف ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اسی میں ہم سب کی دینی و دنیوی کامیابی ہے، بزرگان دین کے معمولات ہم سب کے لیے انتہائی مفید ہیں اور ضرر رساں چیزوں سے بچنے بچانے کا اہم ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل صالح کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

## پیشِ نظر خصوصی شمارے کا پس منظر:

اس وقت ہمیں یاد آ رہے ہیں تارکِ سلطنت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز، جن کی ولادت باسعادت ۷۰۸ھ یا ۷۱۲ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی سمنان کے سلطان حضرت سید محمد ابراہیم نور بخشی قدس سرہ تھے، مخدوم سید اشرف نے سات برس کی عمر شریف میں قرآن عظیم کا حفظ اور قراءت عشرہ کی تکمیل ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء میں فرمائی اور چودہ برس کی عمر میں اس وقت کے مروجہ علوم و فنون کی تکمیل ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء میں فرمائی، پندرہ برس کی عمر میں آپ کے والد ماجد قدس سرہ کا وصال پر ملال ہوا، ان کے بعد آپ سلطنتِ سمنان پر بحیثیت سلطان جلوہ فرما ہوئے۔

آپ کے عہد میں ایک سے ایک یکتائے روزگار علما اور مشائخ جلوہ بار تھے، آپ کے عہدِ حکومت میں مختلف علوم و فنون اور تصوف و روحانیت کے موضوع پر وقیع کتابیں لکھی گئیں، عملی طور پر بھی وہ عہد اخلاص وللّٰہیت کا محور تھا، آپ صغر سنی ہی سے علما اور مشائخ کی صحبتیں پسند فرماتے تھے۔ ایک بار حضرت ابو العباس خضر علیہ السلام کی زیارت سے سرفراز ہوئے، دو سال تک ان کی روحانی تعلیمات پر عمل فرمایا، اذکارِ اویسی کی تعلیم آپ نے حضرت اویس قرنی قدس سرہ کی روحانیت سے براہِ راست حاصل فرمائی اور تین برس تک اذکارِ اویسیہ پر عمل پیرا ہوئے۔ ۲۷ر رمضان المبارک کو حضرت خضر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو حکم دیا کہ اب مکمل روحانیت میں داخل ہو جائیے، آپ نے اسی وقت ترکِ سلطنت کا ارادہ فرمالیا اور ۲۵ر برس کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ خاتون قدس سرہا سے مشورہ لیا، انھوں نے فرمایا: اے میرے فرزندِ ارجمند آپ ضرور جائیے، اس کی بشارت ہمیں ہمارے والد بزرگ حضرت سید خواجہ احمد یسوی قدس سرہ نے بہت پہلے عطا فرمادی تھی، اب بس ہماری خواہش یہ ہے کہ جب آپ جاؤ تو لگے کہ میرا فرزند کسی ملک کو فتح کرنے جارہا ہے، آپ نے سلطنت کے منصب پر اپنے برادرِ خورد حضرت سید محمد اعرف کو بٹھایا اور خود پورے جاہ و جلال اور شاہی سطوت کے ساتھ قریب بارہ ہزار کا لشکر لے کر سمنان سے ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے۔ والدہ ماجدہ سیدہ اور ولیہ خاتون تھیں، بظاہر ان کی خواہش تھی کہ ایک ملک فتح ہو مگر زمینی سچائی یہ ہے کہ ان کے فرزند ارجمند نے ایک ملک نہیں بلکہ پوری دنیا کو فتح کرلیا، یہ اللہ والوں کے اشارے ہوتے ہیں، ان کو سمجھنے کے لیے روحانی صلاحیت درکار ہوتی ہے۔

مختلف مقامات کا دورہ فرماتے ہوئے آپ دو سال میں بہار شریف تشریف لائے، یہاں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز کی نمازِ جنازہ پڑھائی، کچھ کتابوں میں ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھانے کا واقعہ دوسرے سفر میں پیش آیا، اس کے بعد آپ پنڈوہ شریف کے لیے آگے بڑھے، وہاں حضرت شیخ علاؤالحق بن اسد خالدی ثم لاہوری کی مقدس بارگاہ میں حاضری کا ارادہ تھا، حضرت خضر علیہ السلام حضرت شیخ کو پہلے ہی متعدّد بار آپ کے پہنچنے کی خبر دے چکے تھے، حضرت شیخ نے آپ کی خوشبو محسوس فرمائی اور اہلِ خانقاہ سے فرمایا، چلو استقبال کے لیے بوئے یار می آید۔ سواری کے لیے وہ محافہ (سواری) پیش کیا جو ان کو ان کے شیخ حضرت اخی سراج قدس سرہ نے پیش کیا تھا، یہاں آپ نے پہلی بار چار برس اکتساب فیض فرمایا، تاہم متعدّد بار مکمل مدت قیام ۱۲ر سال تحریر کی گئی ہے۔

مرشد گرامی نے جونپور تشریف لے جانے کا حکم فرمایا، آپ محمد آباد گوہنہ، ظفر آباد اور جون پور وغیرہ مختلف مقامات کا دورہ فرماتے ہوئے کچھوچھہ مقدسہ پہنچ گئے، آپ ایک باکمال غوث العالم، عظیم مصنف اور تاجدارِ کشف و کرامت تھے، آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ نے قرآن عظیم کا فارسی میں ترجمہ فرمایا جو اب وہ اپنے اردو ترجمے اور مختصر تفسیر کے ساتھ پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔ دیگر کتابوں میں چند اہم کتابیں دستیاب ہیں۔ آپ مختلف زبانوں کے ماہر تھے، جس علاقے یا جس ملک میں تشریف لے جاتے وہیں کی زبان میں رسالہ لکھ کر عطا فرمادیتے۔

آپ کے جانشین شیخ طریقت حضرت سید السادات سید شاہ عبد الرزاق نور العین سمنانی اشرفی قدس سرہ العزیز ہوئے۔ دفعِ جنات و شیاطین اور قاطعِ سحر و بلیات کے لیے آپ کا مزار اقدس دنیا بھر میں مشہور ہے۔ حضرت شیخ عبد الرزاق نور العین قدس سرہ کی اولاد امجاد بڑے سلیقے اور ادب و احترام کے ساتھ عرس کی تقریبات منعقد کرتی ہے۔

صوفیِ ملت عطائے مخدوم اشرف حضرت سید شاہ جہانگیر اشرف اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ کا عرس ۳۰ر اکتوبر ۲۰۱۸ء کو بڑے اعلیٰ پیمانے پر منعقد ہوا، اس میں **"مخدوم اشرف سمنانی کی تعلیمات اور عصرِ حاضر میں اس کی اہمیت و افادیت"** کے موضوع پر سیمینار ہوا، اس کی صدارت مرشدِ طریقت، خطیبِ اہلِ سنت حضرت مولانا سید محمد اشرف اشرفی جیلانی دامت برکاتہم العالیہ نے فرمائی۔ دیگر اکابر سادات کرام اور علمائے عظام بھی جلوہ بار تھے، اس میں حضرت مفتی محمد منظر حسن اشرفی مصباحی دام ظلہ العالی نے سیمینار کے اصل موضوع پر مقالہ پیش کیا اور اہلِ سیمینار کو خوب محظوظ فرمایا۔ حضرت مفتی زین العابدین اشرفی نے بھی اپنا مقالہ "مخدومِ سمناں، طریقۂ بیعت اور شرائط شیخ و مرید" کے موضوع پر پیش کیا، یہ دونوں تحریریں موصول ہوئیں، حضرت مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی اور مولانا ابو ہریرہ رضوی مصباحی کی تحریریں بھی دستیاب ہوگئیں، ہم نے ان سب کو جمع کر کے ایک خاص گوشہ "تارکِ سلطنت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی" مرتب کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ موقع ہے عرس مخدومی کا، ان کے فیوض و برکات کے حصول کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ ☆☆☆

مولانا مفتی محمد رضا قادری مصباحی

# جدید ہندوستان میں مذہبی تعلیم

## اور عصری علوم کی شمولیت

**مقالہ برائے: بین الاقوامی کانفرنس، مرکزی یونیورسٹی کشمیر**

## بعنوان: عصر حاضر میں مذاہب کی تعلیم: توقعات و موانع

حامدا و مصلیا و مسلما

زیر نظر سطور میں مذہبی تعلیم سے راقم سطور کی مراد مسلمانوں کی مذہبی تعلیم ہے اسی تناظر میں ساری گفتگو ہوگی۔ آج کا ہندوستان کل کے ہندوستان سے بہت مختلف ہوچکا ہے۔ انیسویں و بیسویں صدی میں مغرب کے زیراثر ظہور میں آنے والے سائنسی و صنعتی اور تمدنی انقلاب نے سوچ و فکر کا زاویہ بدل کر رکھ دیا ہے۔ جدید ہندوستان ایک سیکولر اسٹیٹ ہے جس کا نہ کوئی مذہب ہے نہ کوئی مذہبی کتاب بلکہ یہ ہر مذہب اور مذہبی اداروں کو آئین کے اندر رہتے ہوئے ترویج واشاعت کی اجازت دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذہب انسان کا انفرادی مسئلہ بن چکا ہے نہ کہ ریاستی مسئلہ رہا۔ ۱۸۵۷ء میں سقوط دہلی ہوا ور ہندوستان سے ساڑھے چھ سو سالہ مسلم سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور برٹش گورنمنٹ کے ذریعہ پورے ملک میں ایک سیکولر تعلیم رائج کی گئی، معروف انگریز مؤرخ اور سیاست داں، بی ٹی لارڈ میکالے (۱۸۰۰-۱۸۵۹ء) کی کوششوں سے ۱۹۳۸ء میں انگریزی زبان کو فارسی کی جگہ سرکاری زبان ہونے کا درجہ دے دیا گیا اور ۱۹۴۷ء میں ملک ایک سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل ہو گیا۔ ہندوستان میں مذہبی تعلیم کس نہج پر دی جائے یہ ایک اہم سوال ہے اس سلسلے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مذہبی تعلیم کا مقصد ایک خدا پرست انسان کے ساتھ ملک کا ایک اچھا شہری بنانا بھی ہے۔ مذہبی تعلیم کے دائرہ کو اس قدر وسعت ملنی چاہیے کہ مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ مذہب کی خدمت کے ساتھ ملک کی خدمت کے بھی قابل ہو سکیں۔ مذہبی تعلیم کے مراکز میں عربی جامعات، دارالعلوم، مدارس اور خانقاہیں سرفہرست ہیں۔ ان اداروں نے ہر عہد میں ضرورتوں کے مطابق اپنے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کو ڈھالنے کی کوششیں کیں۔ مذہبی تعلیم میں اصلاح کا یہ جزوی عمل کبھی موقوف نہیں ہوا۔ یہ آج بھی جاری ہے اور مدارس کے دانشوروں کو مزید اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح مذہبی تعلیم کو ایک پرکشش تعلیم کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے تاکہ مذہب کے خلاف اٹھنے والی آواز کو عقلی اور سائنٹفک طریقۂ استدلال سے خاموش کیا جاسکے۔ درس نظامی کے تحت آج کے مدارس میں دی جانے والی مذہبی تعلیم فکر میں اَصالت اور پیش کش میں عصریت کا تقاضا کرتی ہے۔ وہ تقاضا یہ ہے کہ استدلال کا اسلوب سائنٹفک ہو۔ مذہبی تعلیم کے اندر اتنی وسعت پیدا کی جائے کہ مذہب کے خلاف اٹھنے والے جدید چیلنجز کا اطمینان بخش جواب دیا جاسکے۔ نت نئے مسائل کے حل کے لیے طلبہ کے ذہن کو تیار کیا جائے۔ اس کے لیے ہمیں اپنے نصاب کی تجدید و اصلاح حسب ذیل طریقے سے کرنا چاہیے۔

### جدید علم کلام (Modern Theology):

زمانہ قدیم سے ہی مذہب کے دائرے میں یہ کوشش کی جاتی رہی ہے کہ مذہبی افکار و نظریات کو عقلی سطح پر بھی قابل فہم بنایا جائے۔ مذہب میں چونکہ خدا کے تصور کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اس لیے فطری طور پر بڑے بڑے دماغ اس میں مصروف رہے کہ وہ عقلی دلائل کی بنیاد پر خدا کے وجود کو ثابت کریں۔ مذہب اور عقلیات کی یہ کہانی فلاسفہ (philosophers) سے شروع ہوتی ہے۔ دنیا کے اعلی ترین دماغ اس غور وفکر میں مشغول رہے کہ وہ خدا کے تصور اور اس کے وجود کو اعلی تعقُّل کی سطح پر قابل فہم بنائیں لیکن وہ سب کے سب اس مقصد میں ناکام رہے اس کا سبب یہ تھا کہ ان فلسفیوں کے پاس غور وفکر کرنے کا جو فریم ورک تھا وہ محدود تھا تھا مثال کے طور پر تمام فلاسفہ کا مشترکہ ذہن یہ تھا کہ وہ اعلی حقیقت کو ایک غیر حقیقی وجود تصور کرتے تھے اس بنا پر انہوں نے خدا کو عالمی روح (world spirit) یا عالمی تصور (world idea) جیسا نام دیا۔ مثلا برکلے کانٹ اور ہیگل وغیرہ۔ اس تصور کے تحت وہ فلسفیانہ فکر پیدا ہوئی جسے آئڈیل ازم (lismidea) کہا جاتا ہے۔ فلسفیانہ الہیات کا دوسرا نام آئڈیل ازم ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کا دور آیا۔

عہد عباسی میں ایک نیا علم مدون ہوا جسے علم کلام (theology) کہا گیا۔ جو لوگ اس علم میں مشغول ہوئے وہ متکلّمین کے نام سے مشہور ہوئے۔ متکلّمین اسلام نے از سرنو یہ کوشش کی کہ وہ مذہبی عقیدہ یا خدائی تصور کو عقل کی اصطلاحوں میں بیان کریں۔ لیکن ان کی کمزوری یہ تھی کہ فریم ورک کے نام سے ان کے یہاں جو چیز موجود تھی وہ دوبارہ یونانی منطق (Greeklogic) تھی۔ ان کے استدلال کی بنیادیں فلسفیانہ طرز فکر پر مبنی تھیں۔ یونانی منطق دراصل قیاسی منطق (syllogism) کا دوسرا نام ہے۔ یہ منطق کا وہ طریقہ ہے جو سائنسی منطق کے ظہور میں آنے سے پہلے استعمال ہوتا تھا۔ مسلم متکلّمین کے پاس دلیل قائم کرنے کے لئے یہی قدیم منطق قابل حصول تھی۔ اٹھارہویں صدی میں مغرب کے زیر اثر ظہور میں آنے والے سائنسی و صنعتی انقلاب نے دنیا کو تعقل پسندی کے ایک نئے دور میں داخل کر دیا، رفتہ رفتہ تعقل پسندی کا یہ رجحان اتنا غالب ہوا کہ اب انسان ہر واقعہ کی مادی اور عقلی توجیہ کا خوگر ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ منطق یونانی، تعقل پسند انسانوں کو مطمئن کرنے کے لئے ناکافی ثابت ہونے لگی۔ اس کے بعد انیسویں اور بیسویں صدی میں جدید سائنس کے عروج کا زمانہ آیا۔ اس عہد میں فطرت میں چھپے ہوئے نئے حقائق دریافت ہوئے، ان حقائق نے تاریخ میں پہلی بار وہ علمی بنیاد فراہم کی جس کی بنیاد پر الہیات کو از سر نو "سائنسی الہیات" کے طور پر مرتب کیا جا سکے۔ سائنسی الہیات کے ظہور نے اس بات کو آخری حد تک ممکن بنا دیا کہ خدا پرستانہ عقائد کو خود اس علمی معیار پر مدون کیا جا سکے جس کو ان کے نزدیک آخری مسلمہ عقلی معیار کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ یہ جدید سائنسی امکان اپنی اعلیٰ ترین صورت میں سامنے آیا لیکن اس کو الہیات کے شعبے میں استعمال نہیں کیا جا سکا۔

جدید سائنس کے حصول کے بعد علم کے ہر شعبے میں انقلاب آیا اور کوشش یہ ہوئی کہ علوم کو جدید سائنسی معیار پر ڈیولپ کیا جائے۔ علم خلیات (cytology) سے لے کر علم فلکیات (Astronomy) تک بے شمار شعبہ ہائے علم کو سائنسی ترقی کا درجہ ملا۔ لیکن الہیات کا علم سائنسی بنیادوں پر تدوین جدید کے حوالے سے ایک مستثنیٰ علم بنا رہا۔

## جدید سائنس جدید علم کلام کی اساس:

اگر سیدھے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ قدیم علم کلام کے استدلال کی بنیاد فلسفۂ قدیمہ اور منطقِ یونانی پر قائم تھی اور جدید علم کلام کے طریقۂ استدلال کی بنیاد جدید سائنس پر قائم ہے تو یہ ایک انتہائی منصفانہ بات ہوگی۔ قدیم علم کلام کے طرز استدلال کی عمارت منطقیانہ طرز فکر پر قائم تھی تو جدید علم کلام کے طریقۂ استدلال کی اساس جدید سائنس پر قائم ہونی چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سائنس دانوں کے بہت سے نظریات سے اہل اسلام کو اختلاف رہا ہے اور اب بھی ہے اس کے بعض نظریات وہ ہیں جو نصوص قرآنی کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔ مثلا: نظریۂ حرکت زمین، انکار وجود آسمان، مشہور برٹش عالم طبیعیات چارلس ڈارون (Charles Daruein) (ولادت ۱۸۰۹ء وفات ۱۸۸۲ء) کا پیش کردہ حیاتیاتی ارتقا کا نظریہ۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ انسان جانور سے ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت کو پہونچا۔ دو سو سال سے یہ نظریہ یورپ پر چھایا رہا۔ یہ نظریہ مکمل طور پر قیاس مع الفارق پر مبنی ہے جس کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔ اس نظریہ نے انسان کو بندر کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا جو انسانیت کی کھلی ہوئی توہین اور تذلیل ہے۔ اب سائنس دانوں کے یہاں بھی اس کا یہ نظریہ قابل رد ہو چکا ہے سائنس داں ایک طرف کہتے ہیں ہماری تحقیق کی بنیاد مشاہدات اور تجربات پر ہے مگر یہاں سراسر ظن وتخمین ہے۔ کس نے انسانوں کو جانور سے ترقی کرتے ہوئے دیکھا؟ اس کے برعکس اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ لقد خلقنا الانسان من سللة من طین۔ ہم نے انسان کو (یعنی انسان اول کو) کشید کی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔[1] سورۂ تین میں فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (سورۂ تین، آیت ۳)۔ ہم نے انسان کو سب سے خوبصورت پیکر میں پیدا کیا۔ نظریۂ بگ بینگ (Big Bang Theory) سائنس دانوں کا یہ ماننا کہ تقریبا ۱۳ بلین سال پہلے خلا میں ایک انفجار (Explosion) ہوا اور اس کے نتیجے میں یہ موجودہ کائنات از خود وجود میں آئی۔ جب کہ اللہ تعالی فرماتا ہے ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستة ایام[2]۔ بیشک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

پھر آسمان کی ابتدائی کیفیت کے بارے میں فرمایا کہ وہ دھواں کی شکل میں تھا:

ثم استوی الی السماء و ھی دخان فقال لھا و للارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین۔ فقضھن سبع سمٰوٰت فی یومین و اوحی فی کل سماء امرھا و زینا السماء الدنیا بمصابیح و

(۱) سورۃ المومنون پ ۱۸

(۲) اعراف، ۵۴

حفظا ذلك تقدير العزيز العليم[۱]۔

پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے تو انھیں پورے سات آسمان کردیا دو دن میں۔ اور ہر آسمان میں اسی کے کام کے احکام بھیجے۔ اور ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کردیا اور نگہبانی کے لیے یہ اس عزت والے علم والے کا ٹھہرایا ہوا ہے۔

اس طرح کے اور بھی نظریات ہیں جن سے اتفاق کرنا ممکن نہیں جب تک کہ صحیح تطبیق کے ذریعے یہ نظریات موافق اسلام نہ بن جائیں۔ تاہم کلی طور پر سائنس کو رد کردینا کسی بھی طرح درست نہیں۔ اس کی بہت سی تحقیقات نے فلسفۂ اسلامی کو عقلی سطح پر سمجھانا آسان کردیا ہے۔

یہ بالواسطہ طور پر جدید علم کلام کا ظہور ہے۔ اب تک نقلی بنیادوں پر مذہب اور عقائد مذہب کی توجیہ کی جاتی رہی لیکن جدید سائنس نے اس کو ممکن بنایا کہ اب عقلی و سائنسی بنیادوں پر بھی خدا اور مذہب کی توجیہ ممکن ہے۔

## نظریۂ توحید کے حق میں سائنسی اساس:

سر آئزک نیوٹن (وفات 1727ء) کے زمانے سے یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ چار بنیادی طاقتیں (Forces) ہیں جو پوری کائنات کو کنٹرول کرتی ہیں۔ یہ نظریہ اٹھارہویں صدی سے بیسویں صدی کے نصف تک دنیا پر چھایا رہا۔ مشہور جرمن سائنٹسٹ البرٹ آئن اسٹائن (وفات 1955ء) نے اس تعداد کو گھٹانا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ڈاکٹر عبد السلام (1926-1996ء)، شیلڈن گلیشو (Sheldon Glashow) اور اسٹون وائن برگ (Steven Weingberg) تینوں نوبل انعام یافتہ سائنس دانوں نے ۱۹۷۹ء میں خالص ریاضیاتی بنیاد پر یہ ثابت کیا کہ کائنات کو کنٹرول کرنے والی طاقتیں چار نہیں بلکہ تین ہیں۔ اس تحقیق پر ان کو فزیکس کا نوبل پرائز دیا گیا۔

بعد کو نظریاتی فزیکس کے مشہور برٹش سائنس داں اسٹفن ہاکنگ (1942-2018ء) نے اس تعداد کو مزید گھٹا دیا اور یہ ثابت کیا کہ کائنات کو کنٹرول کرنے والی طاقت صرف ایک ہے اس طاقت کو انہوں نے واحد ڈور تھیوری (single string theory) کا نام دیا ہے۔[۲]

اس طرح خالص سائنٹفک ریسرچ کے ذریعہ یہ ثابت کرنا ممکن ہوا کہ ایک ہی وجود ہے جو اس کائنات کا نظم کر رہا ہے اور یہ نظریۂ توحید کا سائنسی اعتراف ہے جو اسلام کے حق میں سائنسی اساس فراہم کر رہا ہے۔

اسی طرح مشہور سائنٹسٹ سر جیمز جینز (۱۸۷۷-۱۹۴۶ء) Sir James Jeans نے ڈاکٹر عبد السلام ہی کی طرح الہیئات کے موضوع پر کچھ جزئی کام کیا۔ انھوں نے اپنی کتاب (The Mysterious Universe 1930) میں خالص سائنسی تجزیہ (Scientific analysis) کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کائنات اتنی زیادہ بامعنی ہے کہ وہ الل ٹپ (Atrandom) طور پر وجود میں نہیں آسکتی۔ یقیناً وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت وجود میں آئی ہے۔ سر جیمز نے لکھا ہے کہ کائنات کا خالق ایک ریاضیاتی ذہن (Mathematical mind) معلوم ہوتا ہے۔ اہل اسلام اس ریاضیاتی ذہن کی تعبیر خدا کی ذات سے کرتے ہیں۔

قدیم سائنسی نظریہ شرکیہ عقیدے کی موافقت کر رہا تھا لیکن سائنس داں اس قسم کے چار نظریے پر مطمئن نہ تھے۔ ان کو نظر آتا تھا کہ کائنات میں بہت زیادہ ہم آہنگی ہے ایسی ہم آہنگ اور مربوط کائنات میں چار طاقتوں کا نظریہ بے جوڑ نظر آتا تھا، چنانچہ سائنس دانوں کی تحقیق جاری رہی یہاں تک کہ ثابت ہو گیا کہ کائنات کو کنٹرول کرنے والی طاقت صرف ایک ہے۔ اس جدید سائنسی دریافت نے شرک (Polytheism) کے نظریے کا علمی طور پر خاتمہ کردیا اب علم اور عقل کی بنیاد، صرف توحید کے نظریے کو حاصل ہے۔

اب غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ سائنس دانوں کا یہ اعتراف کہ اس کائنات کو ایک طاقت کنٹرول کر رہی ہے یہی قرآن کا علم کلام ہے۔ جس بات کو سائنس دانوں نے ریاضیاتی اصولوں اور کائنات میں جاری طبیعی قانون کے تحت بیان کیا ہے اس کو قرآن نے اپنے سادہ اسلوب میں بیان کیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر آسمان اور زمین کو کنٹرول کرنے والی طاقتیں متعدّد ہوتیں تو آسمان و زمین کا نظام بگڑ جاتا۔ اور اس فساد کے نتیجے میں تباہی رونما ہوتی۔ ایک طاقت یہ چاہتی کہ سورج کو مغرب سے نکالیں اور دوسری یہ چاہتی کہ سورج کو مشرق سے طلوع کریں۔

## فقہ اسلامی کی تشکیل جدید:

فقہ اسلامی (Islamic Jurisprudence) دین اسلام کے

---

(۱) حم سجدہ آیت ۱۱، ۱۰

(2) Izhar-e-Deen (Urdu) Maulana Wahiduddin Khan, First Published 2014. Good Word Books, New Delhi.

قوانین کے علم کا نام ہے۔ اس باب میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) نے دوسری صدی ہجری میں اس علم کو مدون فرماکر باضابطہ ایک سبجیکٹ بنادیا۔ قرآن واحادیث سے ہزار ہاہزار مسائل استنباط فرماکر اسلامی علم قانون کی ہمہ گیریت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اسلامی قانون کے اندر اللہ تعالی نے وہ خصوصیت اور لچک رکھی ہے جو دنیا کے بدلتے حالات اور تقاضوں کے مطابق خود کو منطبق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فقہ اسلامی کے نام پر جو کتابیں آج ہمارے مذہبی نصاب درس میں شامل ہیں وہ سب عہد اسلامی میں لکھی گئی ہیں۔ آج دنیا میں ہر جگہ یا تو جمہوری حکومتیں قائم ہو چکی ہیں یا غیر اسلامی شاہی نظام قائم ہے۔ آج کا دور باندی اور غلام کا دور نہیں رہا۔ بلکہ ہر قوم مکمل طور پر آزاد ہے۔ اٹھارہویں صدی سے اکیسویں صدی تک جدید سائنسی و صنعتی انقلاب کے نتیجے میں ہزاروں جدید مسائل ایسے سامنے آچکے ہیں جو اس سے پہلے نہیں آئے تھے۔

مگر یہ مسائل جو حالات حاضرہ کے بطن سے پیدا ہوئے آج تک ہماری فقہی کتابوں کا حصہ نہ بن سکے۔ ایسا نہیں ہے کہ فقہاے امت نے ان مسائل کا کوئی حل نہیں نکالا ان تمام نو پیدا مسائل پر انھوں نے تحقیقی و سائنسی طریقے سے غور و فکر کیا اور بڑی دیدہ بینی و عرق ریزی سے ان مسائل کے احکام کا استنباط کیا۔ مثال کے طور پر شمالی ہند کی عظیم مذہبی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور نے ۱۹۹۳ء سے ۲۰۱۸ء تک ۲۶ فقہی سیمیناروں میں حالات حاضرہ کے بطن سے پیدا ہونے والے جدید مسائل پر فقہاے اسلام کے ایک عظیم فقہی بورڈ "مجلس شرعی" کے ذریعے تقریبا ۷۵ مسائل پر فیصلے کیے ہیں۔ جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان فیصلوں کی روشنی میں روز مرہ زندگی سے متعلق سینکڑوں مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۹۳ء سے ۲۰۱۳ء تک کے سیمیناروں کے فیصلے ناظم مجلس شرعی محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی دامت برکاتہم صدرالمدرسین و صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ترتیب و تدوین کے ساتھ مجلس شرعی مبارک پور سے تین جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں سر فہرست درج ذیل مسائل ہیں۔ ۱۔ مشترکہ سرمایہ کمپنی کا نظامِ کار اور اس کی شرعی حیثیت، ۲۔ دیہات میں جمعہ و ظہر جائز ہے یا نہیں؟ ۳۔ فلیٹوں کی خرید و فروخت کے جدید طریقے اور ان کے احکام، ۴۔ مصنوعی سیارہ (سٹیلائٹ سے) رویت ہلال کا حکم، ۵۔ نیٹورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت، ۶۔ میوچول فنڈ کے ذریعہ کمپنیوں میں کاروبار، ۷۔ لائف انشورینس، ۸۔ شیر بازار کے مسائل، ۹۔ چلتی ٹرین پر نماز، ۱۰۔ ڈی این اے ٹیسٹ اسلامی نقطۂ نظر سے، ۱۱۔ جدید بینک کاری کے مسائل وغیرہ اس طرح کے سیکڑوں مسائل ہیں جو اس عہد کی پیداوار ہیں جن کو ہمارے فقہا نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے حل کر دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کو طلبہ کے لیے نصاب درس کا حصہ بنایا جائے اور قضایا فقہیہ معاصرہ کے نام سے ایسی کتاب لکھی جائے جو اس ضرورت کو پوری کر دے۔ فقہی کتابوں میں ان بحثوں کا اضافہ کیا جائے کہ ایک سیکولر اور جمہوری ملک میں رہنے سے مسائل کی نوعیت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

## تاریخ اسلام کی تدوین جدید:

تاریخ اسلام کے نام پر اردو زبان اور تقریبا عربی و فارسی زبانوں میں بھی جتنی کتابیں آج تک لکھی گئی ہیں ان سب میں ایک مشترکہ خامی یہ رہی ہے کہ ان میں تاریخ کا مرکز و محور حکومتیں اور سلاطین و امرا رہے ہیں۔ جب کہ اس کا مرکز اسلام ہونا چاہیے۔ اب اسلام کی اشاعت میں، دعوت و تبلیغ میں، اسلامی علوم و فنون کے فروغ اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو پروان چڑھانے میں جن لوگوں نے بھی مرکزی کردار ادا کیا ہے خواہ وہ خلفا و سلاطین ہوں یا علما و فقہا یا صوفیہ و متکلّمین ہر ایک کو اس میں جگہ ملنی چاہیے تھی۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس میں اسلام، دعوت اسلام اور داعیان امت کی تاریخ برائے نام ہے جب کہ سلاطین و امرا کی تاریخ کا مکمل غلبہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم شخص اس تاریخ اسلام کو پڑھ کر اسلام کو سمجھنا چاہے تو اسے سخت غلط فہمی ہو سکتی ہے کیوں کہ بادشاہوں کے قتل و قتال، جنگ و جدال، حکومت و اقتدار اور ذاتی و نفسانی خواہشات کے زیر اثر لڑی جانے والی جنگوں کو بھی ہم نے تاریخ اسلام کا ایک حصہ بنادیا۔ بجا طور پر یہ کتابیں اس قابل ہیں کہ ان کو تاریخ مسلمین کہا جائے نہ کہ تاریخ اسلام۔ تاریخ اسلام کے ضمن میں درج ذیل موضوعات پر مختصر اور جامع انداز میں ایک ایک چیپٹر شامل کیا جائے: اسلام کا آئینی نظام، اسلام کا عدالتی نظام، اسلام کا مالیاتی نظام، اسلام کا جنگی و دفاعی نظام، اسلام کا بلدیاتی نظام، اسلام کا تعلیمی نظام، اسلام میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ، اسلام کا تصور امن، سائنسی علوم کے فروغ میں اسلام اور مسلمانوں کا حصہ۔

## قرآن مجید کا سائنسی مطالعہ:

نصاب درس میں چلائی جانے والی تفسیر بیضاوی ہو یا مدارک

التنزیل یا جلالین شریف یا کوئی اور کتاب یہ تمام تفسیریں قدیم، روایتی اور کلاسیکل تفاسیر کے نمونے ہیں جو قدیم طرز اسلوب پر مبنی ہیں۔

قرآن کریم کے مطالعہ کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ روایتی اور کلاسیکی ہے۔ جس میں لغت، نحو و صرف، شان نزول، وجوہ بلاغت اور استنباط مسائل پر زور دیا جاتا ہے مثلا امام آلوسی کی روح المعانی اور علامہ ابوحیان اندلسی کی تفسیر البحر المحیط، زمخشری کی کشاف اور امام نسفی کی مدارک التنزیل اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

دوسرا طریقہ جدید، اکیڈمک اور سائنٹفک ہے اس طریقۂ مطالعہ میں قرآن مجید کی درج بالا خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے اس کے پورے مضمون کا سائنسی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے اندر قدرت کی چھپی ہوئی نشانیوں کا پتہ لگایا جاتا ہے اور ہر قانون اسلام کی ایک عقلی توجیہ بھی کی جاتی ہے تاکہ تعقل پسند افراد جب قرآن کو پڑھیں تو عقلی سطح پر قرآن کے اعجاز کا اعتراف کر سکیں۔ اس طرح کی تفسیریں عالم اسلام میں بہت کم لکھی گئی ہیں۔ مصری عالم دین علامہ طنطاوی کی الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم اس کی ایک عمدہ مثال ہے۔ جزوی طور پر اور بھی لوگوں نے کسی سورہ یا چند آیات کی سائنسی و عقلی توجیہ پیش کی مگر پورے قرآن کی سائنسی تفسیر شیخ طنطاوی جوہری کی خصوصیت ہے یہ تفسیر انھوں نے بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں مکمل کی۔

آج علمی دنیا میں انفجار (Explosion) کے بعد جو سائنسی، تمدنی اور صنعتی انقلاب ظہور میں آیا ہے اس نے قدرت کے رازہائے سربستہ کو آشکار کر دیا ہے۔ لگتا ہے یہ عہد خود قرآن کی تفسیر کر رہا ہے۔ اور بعض آیات قرآنیہ وہ ہیں جن کے درست معانی عصر حاضر سے ربط جوڑے بغیر سمجھ میں نہیں آتے چوں کہ قدیم مفسرین کے نزدیک وہ نشانیاں ابھی ظہور میں نہیں آئی تھیں تو انھوں نے اپنے عہد کے مطابق اس کی تفسیر کی۔ اب وہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں لہذا ہم پر ضروری ہے کہ آیات قرآنیہ سے ہم وہ معانی اخذ کریں جو عصر حاضر کا تقاضا ہے تاکہ خدائی کتاب پر ہمارا یقین اور مضبوط ہو۔ چند مثالوں سے اس ادعا کی وضاحت ممکن ہے۔

۱۔ سورۂ تکویر میں اللہ تعالی قرب قیامت کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ[1] اور جب سمندر سلگائے جائیں۔ اس آیت کا ایک قدیم معنی یہ ہے کہ قیامت کے وقوع سے پہلے ایسا ہوگا کہ سمندر کا پانی سلگایا جائے گا اور وہ بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔ مگر عصر جدید نے اس کا ایک اور معنی بیان کیا کہ قیامت سے پہلے ٹکنالوجی اس حد تک ترقی کر جائے گی کہ انسان سمندر کے پانی سے بجلی تیار کرے گا اور اس طرح سمندر کو سلگایا جائے گا بطور مجاز ہم یہ معنی بھی مراد لے سکتے ہیں اور بعید مجاز کے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ زیر زمین جو پٹرول کا سمندر ہے وہ ظاہر ہوگا اور انسان اس کو بطور ایندھن استعمال کرے گا۔ یہ ہے وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ کی سائنسی تفسیر۔

۲۔ مشہور برطانوی سائنٹسٹ اسٹفن ہاکنگ (۱۹۴۲ء-۲۰۱۸ء) نے ایک خوفناک انکشاف کیا کہ خلا میں اب تک کا سب سے بڑا بلیک ہول (Black hole) ظاہر ہوا ہے اور یہ سیاہ شگاف اتنا بڑا ہے کہ وہ ہمارے پورے نظام شمسی کو اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔ نظام شمسی (Solar System) کا دائرہ کتنا بڑا ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نظام کا بعید ترین سیارہ پلوٹو (Pluto) ہے جو سورج کے گرد بیضوی دائرے میں چکر لگا رہا ہے۔ یہ دائرہ ساڑھے سات بلین (ارب) میل پر مشتمل ہے۔ اس کا حجم ۶ بلین سورج سے بھی زیادہ ہے۔ یہ بلیک ہول ہماری کہکشاں (Milky Way) سے ۵۰ ملین سال نوری کی دوری پر واقع ہے۔[2] اور اس سال نوری کی وسعت کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ روشنی کی رفتار فی سکینڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل (۱،۸۶،۰۰۰) ہے پھر اس سکینڈ، منٹ اور گھنٹوں سے جو سال تیار ہوگا اسے نوری سال کہتے ہیں۔ یہ ایسی حقیقت تھی کہ جس کا ذکر قرآن نے اپنے سادہ اسلوب میں اس طرح کیا تھا۔ اذا السماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت[3] جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ پڑیں گے۔ اسی حقیقت کو سورۂ انشقاق کی پہلی آیت میں اس طرح بیان کیا گیا اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ[4] جب آسمان پھٹ جائے گا۔ یعنی اس کے اندر hole پیدا ہو جائے گا۔ اور بڑے بڑے اجرام فلکی قرب قیامت میں ٹوٹ پھوٹ کر، جھڑ کر ایک ایسی دنیا کا حصہ بن جائیں گے جسے آج کی اصطلاح میں بلیک ہول کہا جاتا ہے۔ یہاں انشقاق سما سے بلیک ہول ہم نے مجازی طور پر مراد لیا ہے اس کا حقیقی معنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اس طرح کی بے شمار آیات ہیں جن کی عصری و سائنسی تفسیر پیش کی جا سکتی ہے۔ اس طریق مطالعہ سے انفس و آفاق کے اندر غور و فکر کا رجحان قوی ہوگا۔ آج کم از کم تفسیر کی کوئی ایک کتاب ایسی لکھ کر شامل نصاب ضرور کرنی چاہیے جس سے قرآنی سائنسی مطالعہ کا ذوق پیدا ہو۔[5] ---------------(جاری)

(۱) تکویر، آیت ۶

(2)Izhar-e-Deen (Urdu) Maulana Wahiduddin Khan, First Published 2014. Good Word Books, New Delhi.

(۳) سورۃ الانفطار، آیت: ۱،۲

(۴) سورۃ الانشقاق، آیت نمبر ۱

(۵) ابن أبي أصيبعة، عيون الانباء في طبقات الأطباء، ج اول

# آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی **محمد نظام الدین رضوی** کے قلم سے

## کھاتے میں اندراج قبضہ ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کھاتے میں اندراج قبضہ ہے یا نہیں؟

مجلسِ شرعی اشرفیہ مبارک پور کے چھٹے فقہی سیمینار منعقدہ ۱۹۹۸ میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ کھاتہ میں اندراج حقیقی حکمی مجازی قبضہ کی کسی صورت میں داخل نہیں ہے۔ (ماہنامہ اشرفیہ ستمبر ۲۰۰۴)

اگر یہی حکم ہے تو کافی معاملات میں پریشانی کا سامنا ہوتا ہے مثلاً اگر کسی نے بینک کے ذریعہ زکوٰۃ کی رقم شرعی فقیر کے اکاؤنٹ میں جمع کروائی تو جب تک شرعی فقیر یا اس کے نائب کا قبضہ حسی مال پر نہ ہو جائے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں کچھ مال بذریعہ بینک کسی دوسرے شخص کے اکاؤنٹ میں بطور ہبہ منتقل کر دیا اور قبضۂ حسی سے قبل واہب کا انتقال ہو گیا تو اب یہ مال واپس واہب کے ورثا کو لوٹانا ہوگا۔

لہٰذا کیا کوئی ایسی صورت ممکن نہیں کہ کھاتے میں اندراج کو قبضۂ حکمی تسلیم کیا جائے کیوں کہ قانوناً اسے قبضہ ہی تصور کیا جاتا ہے۔ اگر ممکن ہے تو فقہ حنفی کی رو سے اس کے دلائل بیان فرمادیں۔

## الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لیجر بک میں کسی کے نام کچھ رقم کا اندراج اصل وضع کے لحاظ سے ہبہ ہی نہیں ہے البتہ عرفِ ناس میں عموماً تملیک کے لیے ہی کھاتے میں جمع و اندراج ہوتا ہے، اس لیے وہ ہبہ مانا جاتا ہے، جیسے باپ اپنے بیٹے کے نام زمین رجسٹری کرائے تو بحکمِ عرف شائع وہ ہبہ قرار پاتی ہے۔

رد المحتار میں ہے:

وفي المنح عن الخانية: قال جعلته باسم ابني يكون هبة لأن الناس ير يدون به التمليك والهبة اھ قال الرملي: أقول: ما في الخانية أقرب لعرف الناس. اھ (رد المحتار، ص:٤٩١، ج:٨، كتاب الهبة، مبحث الفاظ الهبة، بيروت)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”شرا زید کے لیے واقع اور زید ہی اس کا مالک ہوا اب بعد اس کے جب کہ تحریر قبالہ وغیرہ کارروائیاں بنام عمرو کرائیں تو یہ بحکم عرف شائع زید کی طرف سے عمرو کے لیے ہبہ ہوا، پس عمرو نے بربنائے ہبہ قبضۂ کاملہ پالیا تھا تو مکان ملکِ عمرو ہو گیا۔ (فتاویٰ رضویہ، ص:۵۲، ۵۳، ج:۸، کتاب الہبہ، سنی دار الاشاعت)

ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ص:۱۱۷، ج:۸/ میں بھی ہے۔

مگر یہ اندراج قبضہ نہیں، ہاتھ کا قبضہ نہ ہونا تو ظاہر ہے اور تخلیہ کے طور پر بھی قبضے کا تحقق نہیں ہوتا، کیوں کہ تخلیہ کے ذریعہ قبضہ پائے جانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز بس اتنے فاصلہ پر ہو کہ جسے وہ چیز ہبہ کی گئی وہ ہاتھ بڑھا کر اسے لے سکے مگر بینک میں یہ صورت اس وقت پائی جاتی ہے جب چیک کی منظور کے بعد وہ کاؤنٹر پر پہنچ جائے اور روپے اس کے سامنے رکھ دیے جائیں تو جس وقت یہ حالت پائی جائے اس وقت تخلیہ کے ذریعہ قبضہ متحقق ہوگا، اس سے پہلے قبضہ نہ ہوگا۔

ہاں ”تمکن من القبض“ کو بھی فقہا نے قبضہ مانا ہے، جیسے مقفل صندوق اس کی کنجی کے ساتھ ہبہ کر کے حوالے کر دے، بینک کا ATM کارڈ تو کنجی ہی کے درجے میں ہے اور چیک وغیرہ کے ذریعہ بھی عموماً بآسانی روپے وصول ہو جاتے ہیں، اس لیے بظاہر سوچا جاسکتا ہے کہ یہاں تمکن من القبض موجود ہے، مگر تمکن کی یہ صورت وہی تخلیہ والی صورت ہے، جس کے لیے موہوب لہٗ سے شئ موہوب کا وہ قربِ خاص ضروری ہے، اس لیے یہ تمکن بلا قرب قبضہ نہیں۔

مال کی دو قسمیں ہیں: مالِ مباح     مالِ مملوک

پھر مالِ مملوک کی دَین قوی ہوتا ہے، یا متوسط یا ضعیف۔

مال مملوک کے لیے قبض بالید ضروری ہے، یعنی مال کو ہاتھ میں لے لینا، مجلسِ شرعی کے فیصلے کا تعلق صرف اسی مال سے ہے۔

اور مالِ مملوک دینِ قوی ہو تو کھاتے میں جمع و اندراج بھی قبضہ کے لیے کافی ہے کہ وہ پہلے ہی سے حکماً مقبوض ہے اور جمع و اندراج کے بعد بدرجۂ اولیٰ مقبوض ہوگا۔ جی. پی. ایف. کا حکم یہی ہے۔

فتاویٰ رضویہ کا درج ذیل اقتباس اس مسئلے کی وضاحت کے لیے کافی ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”ہبہ صحیحہ میں مذہب صحیح پر تخلیہ مثل قبض بالبراجم ہے.... مگر یہاں اعتبار تخلیہ کے لیے جو تمکن قبض شرط ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ شیئ موہوب موہوب لہ سے اس قدر قریب ہو کہ یہ ہاتھ بڑھائے تو اس تک پہنچ جائے اٹھ کر اس کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو فقط الماری اور صندوق کا کُھلا ہونا ہرگز کافی نہیں... بحر الرائق وردالمحتار میں ہے: لو اشتری ثوبا فامره البائع بقبضه فلم يقبضه حتى اخذه انسان ان كان حين امره بقبضه امكنه من غير قيام صح التسليم وان كان لايمكنه الابقيام لايصح . ...فتاویٰ قاضی خاں وفتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ان كان حين امره البائع بالقبض امكنه ان يمد يده و يقبض من غير قيام صح التسليم والافلا ... یہاں سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ الماری کھولتے وقت ہندہ کتنے فاصلہ پر ہوتی تھی، نہ اس نے کہا کہ کبھی زید نے اس وقت ہندہ کو بلا کر اتنا پاس بٹھا کر یہ الفاظ کہے کہ ہندہ ہاتھ بڑھاتی تو روپوں کی تھیلی ہاتھ میں آجاتی تو شرط تخلیہ کا تحقق سوال سے ظاہر نہیں بلکہ ظاہر عدم ہے کہ ایسا ہوا ہوتا تو اس کا بیان ترک نہ کرتا۔

ثالثا: تحقق تخلیہ کے لیے صرف تمکن قبضہ فی الحال ہرگز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخلّی مخلّی لہ کو قبضہ کا حکم کرے، مثلا "خذه" یا "اقبضه" کہے یا "خليت لك عنه" یا اس کے مثل جو اس معنی کو ادا کرے... فتاویٰ قاضی خاں وفتاویٰ ظہیریہ وفتاویٰ ہندیہ وبحر الرائق وردالمحتار وغیرہا میں ہے: و اللفظ للخانية ان دفع اليه المفتاح و لم يقل خليت بينك و بين الدار فاقبضه لم يكن ذلك قبضا. ... محیط پھر عالمگیریہ میں ہے: اذا لم يقل اقبضه فانما القبض ان ينقله. (فتاویٰ رضویہ، ص:۸۸، ۸۹، ج:۸، کتاب الہبہ، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

یہاں قبضہ کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بینک کا عملہ وکیل قبض مان لیا جائے مگر یہ حقیقت تو سب پر عیاں ہے کہ یہ عملہ حکومت کا ہے اور حکومت کا ہی وکیل ہے، عام انسانوں کی طرف سے وہ وکیلِ قبض نہیں ہے۔

آپ نے معاملات میں جس پریشانی کا ذکر کیا ہے وہ موہوب لہ کی طرف سے قبضہ میں تاخیر کے سبب ہے، عام حالات میں موہوب لہ قبضہ کر کے شئ موہوب پر ملکِ کامل حاصل کر سکتا ہے اور ہرگز اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی، مفت میں مال مل رہا ہے تو اتنی زحمت تو اسے کرنی ہی چاہیے کہ اس پر جلد قبضہ کر لے، اس طرح کی زحمتیں تو بیشتر امور میں پائی جا سکتی ہیں مثلاً کھانا بروقت مہیا ہے مگر کوئی شخص نہ کھائے، پانی موجود ہے مگر نہ پیے، یہاں تک کہ دسترخوان سمیٹ دیا جائے اور وہ بھوک، پیاس کی مشقتیں اٹھائے، یا سامنے سایہ دار درخت ہے مگر چند قدم زحمت نہ فرما کر دھوپ کی تپش میں پڑا رہے وغیرہ وغیرہ۔

شریعتِ طاہرہ نے حرج و پریشانی کا لحاظ کیا ہے مگر ایسا نہیں کہ ہر قسم کی پریشانی کا لحاظ ہو، خواہ وہ کیسی ہی ہو بلکہ وہ پریشانی شرعی اصطلاح کے مطابق درجۂ حاجت یا درجۂ ضرورت واضطرار میں ہونی چاہیے اور آپ کی ذکر کردہ پریشانی حاجت وضرورت کے درجے کی نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مجلسِ شرعی کے فیصلے کا تعلق مالِ مباح سے ہے اور آپ نے جو مسئلہ دریافت کیا ہے اس کا تعلق مالِ مملوک سے ہے اور محض لیجر بک میں اندراج میری نگاہ میں شرعہ نقطۂ نظر سے قبضہ نہیں جیسا کہ فقہی عبارات اور فقہا کی تصریحات سے عیاں ہے اور آپ کی ذکر کردہ پریشانی کا سبب یہاں حکمِ شرعی نہیں، بلکہ موہوب لہ کی غفلت و تساہلی ہے، ایسے افراد کو حکمِ شرعی سے آگاہ کیا جائے، ساتھ ہی ہدایت کی جائے کہ اپنے ایسے سرمایے پر جلد از جلد قبضہ کر لیا کریں۔ میرے سامنے جو فقہی جزئیات ہیں، ان کے پیشِ نظر حکم یہی ہے کہ لیجر بک میں اندراج قبضہ نہیں تاہم بحث و تحقیق کی گنجائش ہے، کوئی فقیہ یا مجلس فقہا اس پر تحقیق کرے تو غور کیا جائے گا، کثرتِ کار و علالت و فتنۂ حاسدین کے باعث فی الحال اس سے زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں۔ لعل الله يحدث بعد ذلك امرا، وهو المستعان، وهو تعالیٰ اعلم.

# بغیر ثبوت آتنک وادی بتانے کا رجحان

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

ہندوستان کو آزاد کرانے میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب نے مل کر حصہ لیا اور ہر طرح کی قربانیاں دیں، خاص کر مسلمانوں نے سب سے آگے بڑھ کر جنگ آزادی میں حصہ لیا اور انگریزوں سے ملک کو آزاد کرایا(چھینا)، تاریخ میں ساری حقیقت موجود ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے ساتھی مفتی صدر الدین خان آزردہ، سید کفایت علی کافی اور دیگر بہت سے ساتھی علمانے دہلی کی جامع مسجد سے بیک وقت انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا جس کے نتیجے میں مسلمان اس جنگ کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے لڑے۔

طویل جد و جہد کے بعد آزادی کی نعمت حاصل ہوئی، جس کے لیے مسلمانوں نے زبردست قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا، جان و مال کی قربانیاں دیں، تحریکیں چلائیں تختہ دار پر چڑھے، پھانسی کے پھندے کو جراءت و حوصلہ اور کمال بہادری کے ساتھ بخوشی گلے لگایا، قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں اور حصول آزادی کی خاطر میدان جنگ میں نکل پڑے، آخر غیر ملکی (انگریز) ملک سے جانے پر مجبور ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

ہندوستانی قانون: آزادی کے بعد آئین ہند کو مجلس دستور ساز ۲۶ نومبر ۱۹۴۹ء کو تسلیم کیا اور ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ کو نافذ کیا۔ آئین ہند بھارت کو آزاد، سماجی، سیکولر اور جمہوری ملک بناتا ہے جہاں عوام کے تئیں انصاف، مساوات اور حریت کو یقینی بناتا ہے اور برابر کے درجہ کو فروغ دینے پر ابھارتا ہے۔ بھارت کی تمام عوام، عاملہ مقننہ اور عدلیہ اپنا اظہار آئین سے حاصل کرتی ہیں اور آئین ہی کی پابند ہیں، حکومت بھارت کا پارلیمانی نظام آئین ہی کی مدد سے چلتا ہے اور عاملہ براہ راست مقننہ (قانون ساز اسمبلی) کو جوابدہ ہے۔

ملک کا قانون ساز ادارہ، قانون ساز اسمبلی: کسی بھی ملک کو چلانے اور ترقی کرنے کے لیے ملک کے تمام باشندوں کے ساتھ حق و انصاف کے ساتھ ان کی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہبی آزادی بہت ضروری ہے۔ تبھی اس ملک میں قانون کی بالادستی قائم رہ سکتی ہے، بدقسمتی کہیں یا نظام حکومت چلانے والوں کی تنگ نظری و تعصب پرستی کہیں، ملک کی اقلیتوں کے ساتھ پوری طرح انصاف نہیں کیا گیا، خاص کر مسلمانوں کے ساتھ ”یہ ایک سچی حقیقت ہے اور حقیقت سے انحراف ناممکن ہے“ اس میں سب سے زیادہ حصہ اور کردار مسلمانوں کی ازلی دشمن بی جے پی کی سوتیلی ماں کانگریس نے نبھایا ہے (بی جے پی کی اصلی ماں آر ایس ایس ہے) کانگریس نے ہر میدان میں مسلمانوں کو حاشیہ پر لا دیا ایسے ایسے قوانین بنائے، مکوکا، ٹاڈا، میسا وغیرہ وغیرہ جو انتہائی سخت اور ظالمانہ ہیں اور ان کا استعمال بے دریغ مسلمانوں پر کیا اور لاکھوں مسلمانوں خاص کر نوجوانوں کو جیل کی سلاخوں میں بند کر کے ان کی زندگی اور ان کے بچوں کی زندگیوں کو برباد کر دیا اور ہمیشہ مسلمانوں کو ڈرا کر رکھا۔ مسلمانوں کے عائلی قوانین پر بھی ڈاکہ ڈالا، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کا اقلیتی کردار ہو یا مسلمانوں کی تہذیب ہو اور ہندوستانی زبان اردو پر قدغن لگایا، کانگریس کے دور حکومت میں بے شمار ہندو مسلم (مسلم کش) فسادات ہوئے حکومت کی ڈھٹائی نے مسلمانوں کی کمر توڑ دی اور پھر بابری مسجد کی شہادت نے مسلمانوں کے دل و جگر چیر کر رکھ دیا وغیرہ وغیرہ اس طرح کی بہت سی وجوہات کی بنا پر مسلمانوں کا دل کانگریس سے ہٹ گیا اور پھر خانہ خدا کی شہادت پر قدرت کی مار نے کانگریس کو حاشیہ پر لا دیا، اور آج بھی کانگریس اپنی مسلم دشمنی میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے، ۳۰/۰۷/۲۰۱۹ کو لوک سبھا تین طلاق بل کو پاس کرانے میں اہم کردار نبھایا جو کی انتہائی شرم ناک، افسوک ناک ہے۔ آر ایس ایس نے ایک زمانہ سے محنت کی کانگریس نے اسے پالا پوسا اس کی محنت رنگ لائی اور اس کی پروردہ بی جے پی نے اقتدار حاصل کر لیا، اور اب جو ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

**مودی حکومت کی اہم ترقیاں!** : ہمارے پرائم منسٹر کا نعرہ ہے سب کا ساتھ سب کا وکاس، اجول یوجنا سے سے لیکر بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ تک بہت سی یوجنائیں چل رہی ہیں، جھوٹے پرچار سے بتایا

جارہاہے کہ سب کامیابی سے چل رہی ہیں۔ بیٹیوں کا کیا حال ہے کسی سے چھپانہیں ہے لوگ دیکھ رہے ہیں بتانے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس وکاس میں بی جے پی حکومت میں دو بہت اہم تبدیلیاں سامنے آئی ہیں۔ ۲۷ستمبر۲۰۱۸کو ۱۵۷سالہ ہندوستانی قانون (دفعہ ۴۹۷) غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ جس کے بعد شوہر کا دوسری عورتوں کے ساتھ نا جائز تعلق اور بیوی کا دیگر مردوں کے ساتھ ناجائز تعلق زنا (fornication)کسی عورت سے غیر شرعی یا غیر قانونی مباشرت نہیں رہا۔ مزے اڑائو مستی کرو ہے نا سب کا ساتھ سب کا وکاس؟ عورت کا ساتھ بھی، مرد کا ساتھ بھی۔ یعنی اب بیوی جب چاہے شوہر کی مرضی کے بغیر کسی بھی مرد سے جنسی تعلقات قائم کر سکتی ہے، اور اسی طرح شوہر جس وقت چاہے کسی بھی عورت کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر سکتا ہے۔ العیاذ باللہ! استغفراللہ، !بے حیائی، بے شرمی کے اس کھیل میں اتنی بڑی چھوٹ میں یہ بھی ہے کہ اس سلسلے میں نہ بیوی نہ ہی شوہر ایک دوسرے کے خلاف شکایت تک بھی نہیں درج کرا سکتے ہیں کیوں کہ حکومت اور کورٹ کی نظر میں یہ کوئی جرم ہی نہیں ہے۔ دے تالی، دے تالی ہے نا وکاس۔ دوسری جانب طاقت کے نشے میں چور ایم ایل اے وغیرہ کا کیا حال ہے وہ دنیا دیکھ رہی ہے، اناؤ زنا بالجبر Rape کیس کے بی جے پی کے ایم ایل اے کلدیپ سنگر کیا قیامت ڈھا رہے ہیں اللہ کی پناہ اللہ ظالموں کی پکڑ فرمائے۔

**مودی حکومت کا دوسرا سب سے بڑا وکاس:** جولائی ۲۰۱۹/۳۰ کو لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں تین طلاق بل، کانگریس، ایس پی، بی ایس پی، این سی پی، آر جے ڈی، جے ڈی یو، ٹی آر ایس، وائی آر ایس، ٹی ڈی پی، ڈی ایم کے، اے آئی ڈی ایم کے، ان جھوٹے سیکولر پارٹیوں کی مدد سے تین طلاق سے متعلق بل پاس کر دیا اور صدر جمہوریہ نے اس پر دستخط کر دیے ہیں اب یہ قانون بن گیا ہے۔ اب اگر کسی تھانہ میں جاکر کسی عورت نے یہ اطلاع دے دی کہ اس کے شوہر نے اسے تین طلاق دے دی ہے، (خواہ دی ہو یا نہ دی ہو) تو اس کے شوہر کو جرم کا مرتکب مان کر پولیس تین سال کے لیے جیل بھیج دے گی جس کی ضمانت بھی آسان نہیں ہے کیوں کہ طلاق کو سول معاملہ کے بجائے فوجداری معاملہ بنا دیا گیا ہے۔ طلاق سے متعلق یہ قانون نہ تو قرآن وحدیث کے جاننے سمجھنے والے ماہرین علمائے کرام سے رجوع کر کے بنایا گیا ہے اور نہ ہی اس طرح کا قانون کسی بھی مسلم ملک میں نافذ ہے، اور نہ ہی آج تک ۱۴۰۰ سالہ زندگی میں کسی مسلم حکومت اس نوعیت کے قانون کو بنانے پر غور کیا۔ ہندوستان میں سینکڑوں سال مسلمانوں کی حکومت رہی اس طرح کا قانون نہیں بنا نہ ہی کسی حکمراں نے سوچا؟ قانون میں کتنا تضاد (اختلاف، Contradictory) ہے سپریم کورٹ کے مطابق تین طلاق دینے پر کوئی ایک طلاق بھی نہیں ہوگی، سوال یہ ہے کی جب طلاق ہوئی ہی نہیں تو پھر شوہر کو تین سال کی سزا کیوں؟ اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا ان دونوں قوانین سے ہندوستان میں بڑے بڑے مسائل خاص کر عورتوں کے بڑھیں گے یا حل ہوں گے؟۔

**دیش دروہی، دہشت گرد بتانا عام بیماری:** مسلمانوں کو دیش دروہی، دہشت گرد بتانے کا وائرس virus مسلمانوں کی ازلی دشمن کانگریس نے پھیلائے اس کی آڑ میں لاکھوں لاکھ مسلمانوں خاص کر نوجوانوں کو سلاخوں کے پیچھے ڈال کر ان کی زندگی برباد کر دی، کئی کئی سالوں بعد کورٹ سے انھیں رہائی ملی جب تک ان کے اوپر بدنما داغ لگ چکا تھا جو دنیا کے کسی صابن یا شیمپو سے بھی نہیں صاف ہوتا اور زندگی برباد جو ہوئی وہ الگ اس کا کون حساب دے گا۔ اور طرح طرح کے قانونوں و ہتھکنڈوں سے مسلمانوں کو چین سے نہیں رہنے دیا، اور اب مودی حکومت نے تو سارے ریکارڈ بریک کر دیے، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ ۔ لیجئے جناب! مودی حکومت کا ایک اور تحفہ "دہشت گردی مخالف قانون" جولائی ۲۰۱۹/۲۹ کو اپوزیشن کی سخت مخالفت اور واک آؤٹ کرنے کے بعد بھی لوک سبھا میں منظور کر لیا گیا۔ ٹاڈا اور پوٹا سے بھی خطرناک ہے یہ قانون UAPA!!! اب تک کا سب سے خطرناک قانون ہے؟ لوک سبھا سے پاس ہونے کے پندرہ دنوں سے بھی کم دنوں میں یو پی اے یعنی unlawful activities (prevention act یا انسدادِ غیر قانونی سرگرمی (ترمیمی) بل راجیہ سبھا سے بھی پاس ہو گیا، صدر جمہوریہ کے دستخط ہوتے ہی یہ بل قانون کی شکل اختیار کر لے گا۔ مشہور آن لائن نیوز پورٹل کے بنیاد گزار سدھارتھ وردراجن نے اس بل کو اب تک کا سب سے خطرناک قانون قرار دیا ہے، دراصل اس قانون سے حکومت کسی بھی شخص کو دہشت گرد قرار دے سکتی ہے۔ (اللہ خیر فرمائے)............**(باقی: ص: ۵۳ پر)**

# غوث العالم مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کی تعلیمات
## اور عصر حاضر میں ان کی اہمیت و افادیت

مفتی محمد منظر حسن خاں اشرفی

قال الغوث العالم السید محمد اشرف جهانگیر سمنانی رضی الله عنه: ذکر الصالحین وتذکرة العارفین نور یتجلی فی قلوب الطالبین المستر شدین.

نیکوں کا ذکر اور عارفوں کا تذکرہ ایک ایسا نور ہے جو تجلّی فرماتا ہے طالبوں اور ہدایت کے متلاشیوں کے دلوں میں۔

سرکار غوث العالم فرماتے ہیں کے سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ سے منقول ہے: حکایات المشائخ جند من جنید الله تعالیٰ تعین القلوب .

مشائخ کی حکایتیں اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک ایسا لشکر ہے جو دلوں کی اعانت فرماتا ہے۔ سرکار غوث العالم نے فرمایا کہ مشائخ اور نیک لوگوں کے واقعات اور حکایات سننے سے مریدوں کے دلوں کی تربیت ہوتی ہے۔ اور بلا و امتحان کے موقع پر ان کی مثالوں میں ثابت قدمی کا سبق ملتا ہے۔ (لطائف اشرفی) ذرا غور کریں کہ آج کے اس ہمہ ہمی اور موبائل و نیٹ کے بیجا استعمال کے جنونی دور میں جب کے ہر ایک اپنی دنیا بسانے میں مصروف ہے۔ قرآن و سنت اور بزرگوں کے اقوال سے رشتہ بہت کمزور دکھائی دے رہا ہے۔ دینی مجلسوں میں دلچسپی نہ کہ برابر ہے۔ مسجدیں ویران، تماشا گاہیں آباد ہیں۔ اخبار و لٹریچر اور دنیا داروں کے قصے و کہانیوں میں ہماری نسلوں کے شب و روز گزر رہے ہیں۔ ارباب دولت و ثروت کی تاریخیں ہمارے بچوں کو تو کچھ یاد ہیں مگر افسوس صد افسوس کہ انہیں اپنے بزرگوں کے واقعات کا کچھ بھی علم نہیں۔ ایسے ماحول میں مذکورہ بالا سرکار کے اقوال کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اور اگر ہم صرف اسی پر عمل پیرا ہو گئے تو ہماری نسلوں کی فلاح و بہبود کے لیے وہی کافی ہے۔ نیز جب نیک لوگوں کی زندگی کے واقعات کا یہ عالم ہے، تو جو خود غوث العالم، محبوب یزدانی اور شریعت و طریقت کا امام برحق ہو اگر ان کی زندگی مبارکہ کو ہم پڑھیں اور سنیں تو اس سے کتنا عظیم فائدہ ہوگا۔ اس کا اندازہ کرنا کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے، اسی مقصد کے پیش نظر ہم سرکار غوث العالم کی سیرت طیبہ اور ان کے اقوال و ارشادات مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تا کہ ان کی برکات دونوں جہان میں ہم سب کو نصیب ہو۔ آمین۔

اے اشرف زمانہ زمانے مدد نما
درہائے بستہ راز کلید کرم کشا
سرورا شاہا کریما دستگیرا اشرفا
حرمت روح پیمبر یک نظر کن سوئے ما،

محبوب یزدانی، قطب الاقطاب، غوث العالم، تارک السلطنت، امیر کبیر، سید اوحد الدین سلطان سرکار مخدوم سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی، حسینی، حسنی، فاطمی، چشتی، کچھوچھوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف کشف و کرامت کے ہی بے تاج بادشاہ نہیں تھے۔ بلکہ علم و ادب، فقہ و تصوف کے کوہ ہمالہ تھے آپ صرف حافظ و قاری قرأت سبعہ، عالم یگانہ، فاضل زمانہ، محقق، محدث، مفسر، مترجم، موٗرخ، فقیہ، صوفی، متکلم، مناظر، فلسفی، منطقی، فصیح، بلیغ، اور ادیب و شاعر ہی نہیں تھے۔ بلکہ شریعت و طریقت کے امام برحق و مجدد وقت ہونے کے ساتھ ہی ساتھ صاحب تصانیف کثیرہ بزرگ بھی تھے آپ ماہر انساب تھے۔ اور آپ کو متعدّد زبانوں میں افہام و تفہیم کا ملکہ حاصل تھا۔ آپ جس ملک اور جس علاقے میں تشریف لے جاتے وہیں کی زبان میں وہاں کے رہنے والوں کے لیے احکامات شرعیہ تحریر فرما کر عطا فرما دیتے تھے۔ آپ کے اقوال و ارشادات و تصانیف مبارکہ اس پر شاہد و عادل ہیں۔

**ولادت مبارکہ:** سرکار غوث العالم آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ملک ایران کے شہر سمنان میں سلطان حضرت سید ابراہیم سامانی نور بخشی کے گھر حضرت ابراہیم مجذوب وقت کی دعاء مستجاب اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت عظمیٰ کے مطابق صبح صادق کے وقت تقریباً ۷۰۷ ہجری میں (بہ اختلاف روایت) پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم، سلطان سید ابراہیم نور بخشی ملک سمنان کے خود مختار حکومت کے مالک تھے، آپ نہایت نیک، ملنسار، متقی، عابد، زاہد، شب زندہ دار، صوفی، علم دوست اور صاحب علم و عمل ہونے کے ساتھ ہی ساتھ مخلوق

خدا کے لیے ظل اللہ فی الارض تھے۔آپ کے عہد سلطنت میں بڑے سے بڑے علما و مشائخ دربار شاہی میں حاضر رہتے اور بادشاہ وقت کی توجہ خاص سے خوش حال زندگی گزارنے کے ساتھ ہی ساتھ دین متین کی خدمت میں خلوص وللّٰہیت سے لگے رہتے تھے۔آپ کی والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ خاتون پرتوسیدہ خدیجۃ الکبریٰ تھیں ۔ملکۂ وقت ہونے کے باوجود شب وروز عبادت وریاضت میں مصروف رہتیں۔

**تعلیم وتربیت:** جب سرکار محبوب یزدانی کی عمر شریف چار سال چار مہینہ چار دن کی ہوئی تو پورے شاہی اعزاز کے ساتھ حضرت مولانا عماد الدین تبریزی علیہ الرحمہ نے بسم اللہ خوانی کرائی۔ خداداد ذہانت و فطانت کی وجہ سے صرف سات سال کی عمر ہی میں مکمل حافظ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ قرأت سبعہ کے ماہر قاری بھی ہوگئے۔اور علی بن حمزہ کوفی سے سند قرات حاصل کی۔چوں کہ آپ کا تعلق سادات نور بخشیہ سے تھا۔ اس میں پانچ پشتوں سے حفظ قرآن کی روایت چلی آرہی تھی ۔اور ایک دور میں سرکار مخدوم پاک کوستر(۷۰) حفاظ کرام کی ہم نشینی کا شرف حاصل تھا۔یہ بات بھی باعث صد افتخار ہے کہ سرکار مخدوم عبد الرزاق نور العین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سرکار محبوب یزدانی کے سجادہ نشین اور خلیفۂ مطلق اور فرزند معنوی ہیں جو حسنی حسینی جیلانی سادات میں سے ہیں اور جن کی نسل پاک سے خانوادۂ اشرفیہ ہیں ان کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ سرکار محبوب یزدانی کی بارگاہ میں صرف ایک سال کی قلیل مدت میں قرأت سبعہ کے ساتھ حافظ و قاری ہوگئے۔جب شاگرد وفیض یافتہ کی یہ شان ہے تو خود سرکار محبوب یزدانی کی کیا شان ہوگی ؟آپ نے صرف سات سال کی قلیل عمر میں اصطلاحات علوم عربیہ اور مقامات مفاہیم عجیبہ میں ایسی مہارت حاصل کی کہ پورے شہر میں مشہور ہوگئے۔سرکار محبوب یزدانی نے صرف چودہ سال( بہ اختلاف روایت )کی قلیل سی عمر ہی میں اس وقت کے مروجہ تمام علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کرکے فارغ التحصیل ہوکر صف اول کے ممتاز علمی،فکری شخصیتوں میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

ہم شبیہ غوث اعظم ،سرکار اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ صحائف اشرفی حصہ اول میں رقم فرماتے ہیں:

جب سن شریف سات سال کو پہونچا تونکات علمی اس خوبی سے بیان فرماتے تھے کہ بڑے بڑے علما سن کر غش غش کرجاتے تھے بارہ برس کی عمر میں علوم معانی وبلاغت و معقول و منقول تفسیر وفقہ،حدیث و اصول جملہ علوم سے فارغ ہوئے،دستار فضیلت سر اقدس پر باندھی گئی ۔فن حدیث میں حضرت محبوب یزدانی نے حضرت امام عبد اللہ یافعی سے مکہ معظمہ میں سند حدیث حاصل کی اور مقام اسکندریہ میں حضرت نجم الدین کبریٰ کے صاحب زادے سے سند حدیث حضرت کو ملی اور حضرت بابا فرح محدث سے سند حدیث ملی تھی۔اور حضرت مولانا احمد حقانی سے بھی حضرت کو سند حدیث حاصل ہوئی۔اسی طرح علوم فقہ و تفسیر اور معقول وغیرہ میں بھی بڑے بڑے جلیل القدر علما سے تعلیم پائی۔

آپ ظاہری و باطنی علوم و فنون کے صرف ماہر و امام ہی نہیں تھے بلکہ یگانۂ روزگار تھے آپ کی بارگاہ میں بڑا سے بڑا مناظر و فلسفی خود کو طفل مکتب سمجھتا تھا ۔یہ ہے شان سرکار غوث العالم محبوب یزدانی کی کہ بادشاہ زادے ہونے کے باوجود تخت و تاج پر بھروسا نہیں کیا بلکہ اپنے آبا واجداد کی علمی و عملی وراثتوں کے بھی عظیم وارث بن کر اپنے بعد والوں کے لیے اپنی زندگی کو نمونۂ عمل بنادیا۔

**تخت شاھی پر جلوہ افروز:** والد مکرم کے وصال ظاہری کے بعد ۱۵/ پندرہ سال کی عمر میں آپ فن سپاہ گری،و تمام شاہی اصول وضوابط سے آراستہ ہوکر سلطنت سمنان کے وارث حقیقی ہونے کی حیثیت سے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوگئے ۔ تقریبًا ۲۵/ پچیس سال کی عمر شریف تک پورے عدل وانصاف کے ساتھ آپ نے حکمرانی فرمائی۔ڈاکٹر ظہور الحسن شارب کے حوالے سے سید اشرف جیلانی لکھتے ہیں ، سلطان محمد ابراہیم نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا حضرت نے حکومت سنبھالی ، امرا و وزرا نے حضرت کو اورنگ سلطنت و سریر مملکت پر بیٹھایا۔تخت پر بیٹھنے کے بعد حضرت عدل و انصاف کے ساتھ جہاں بانی کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔جب حضرت کو گلزار مملکت ولالہ زار سلطنت تفویض ہوئی تو اس وقت حضرت کی عمر پندرہ سال تھی۔ حضرت کا زمانۂ حکومت عدل وانصاف کے لیے مشہور تھا۔کہتے ہیں کہ (شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے تھے )۔( سید اشرف جہاں گیر سمنانی کی، علمی،ادبی،دینی،اور روحانی خدمات کاتحقیقی جائزہ)

سرکار مخدوم پاک کا دور سلطنت مذہبی لحاظ سے زریں دور تھا۔ جہاں علما و مشائخ علوم و فنون کی ترویج واشاعت میں لگے تھے ، تصنیف و تالیف کا دور دورہ تھا۔ وہیں صوفیاے کرام روحانیت وتزکیۂ

نفس کے طلب گاروں کو روحانی سکون اور تزکیۂ نفس کے سامان فراہم کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دورو دراز مقامات سے سفر کی صعوبتوں کو جھیل کر شریعت وطریقت کے جام سے سیراب ہونے کے لیے عوام وخواص سمنان کا رخ کرتے تھے۔

الغرض سارا شہر علم و ادب کی خوشبوؤں سے معطر تھا۔علما و صوفیہ کی بڑی قدرو منزلت تھی ان کی بار گاہ میں زانوے ادب طے کرنا لوگ اپنی سعادت سمجھتے تھے اس وقت آپ کی سلطنت میں کثیر تعداد میں علوم وفنون کے ادارے اور روحانی تربیت کے لیے خانقاہیں موجود تھیں جن میں علما و مشائخ بڑی تعداد میں جلوہ افروز ہوکر چشمۂ علم و معرفت سے تشنگان علم ومعرفت کو فیضیاب فرما رہے تھے۔جس کی پوری کفالت سرکار غوث العالم محبوب یزدانی اپنے شاہی خزانے سے فرماتے تھے۔

**ترک سلطنت**: سرکار مخدوم پاک بادشاہ وقت ہونے کے باوجود اکثر اوقات عبادت وریاضت میں مصروف رہتے آپ کو کار سلطنت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے بھی آپ سے کبھی بھی فرائض وواجبات،سنن ومستحبات ترک نہ ہوئے حتیٰ کہ آداب شرعیہ سے سر موبھی آپ نے انحراف نہیں فرمایا۔آپنے پچیس سال کی عمر میں ترک سلطنت فرمایا اور تخت و سلطنت اپنے چھوٹے بھائی سید محمد اعرف کے حوالے کردیا۔**کچھ لوگ کہتے ہیں کے سرکار مخدوم پاک نے سلطنت کو ٹھوکر ماردی مگر فقیر اس لفظ کو نا مناسب سمجھتا ہے کیوں کہ شریعت کے دائرے میں بادشاہت کی ذمہ داری کو ادا کرنا اور مخلوق خدا کے ساتھ رحم وکرم کا برتاؤ کرنا خود عبادت وریاضت ہے اور ایسا بادشاہ جو ہر وقت حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ رہتا ہو وہ صرف بادشاہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے بندوں پر رحمت الٰہی کا سایہ ہوتا ہے۔ سرکار غوث العالم فرماتے ہیں :حشمة الملوك ظل من الالوهيت.(بادشاہوں کا دبدبہ الوہیت کا سایہ ہے)** ۔

سرکار غوث العالم نے فرمایا کہ اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو واضح ہوگا کے امراو وزرا اور صنعت و حرفت والے بھی سلوک و عبادت میں مشغول ہیں ۔سرکار غوث العالم کی بار گاہ میں جب سلطان ابراہیم شرقی حاضر ہوئے اور حضرت مخدوم پاک کے ہاتھوں پر بیعت کی تو سرکار مخدوم پاک نے سلطان کو عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم فرمایا۔ ان کے حقوق کی نگرانی ان کے جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی نصیحت کی،نیز فرمایا کے یہ بھی اللہ کی عبادت ہے اور سلوک الی اللہ کی قسم ہے۔

سرکار غوث العالم کے فرمان کی روشنی میں پتا چلا کہ ہر وہ شخص جو کسی کا ذمہ دار ہو اسے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں چاق و چوبند رہنا چاہیے خواہ وہ مدارس و خانقاہوں کے مسند نشیں ہوں یا اپنے گھرو علاقے کے کفیل وذمہ دار۔

احادیث مبارکہ میں بھی عادل بادشاہوں کی فضیلتیں آئی ہیں۔

صحیح البخاری میں ہے:سبعة يظلهم الله فى ظلة يوم لا ظل الا ظله امام عادل ،وشاب نشا فى عبادة الله ... الى الخ.

سات قسم کے خوش نصیب افراد ایسے ہوں گے جنہیں قیامت کے دن اللہ اپنے سائے میں جگہ دے گا جب اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا:عدل وانصاف سے کام لینے والا حکمران اور اللہ کی عبادت میں پروان چڑھنے والا نوجوان۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :ان المقسطين عند الله علىٰ منابر من نور، عن يمين الرحمٰن عزوجل ، الى الخ.

یقیناً انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کی بار گاہ میں دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے۔

عن عياض بن حمار رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول اهل الجنة ثلاثة ذوسلطان مقسط موفق ،ورجل رحيم رقيق القلب لكل ذى قربى ومسلم،وعفيف متعفف ذو عيال.

سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنتی تین قسم کے لوگ ہیں وہ بادشاہ یا حاکم جو عدل وانصاف کرنے والا ہو،اور وہ رحم دل شخص جو اپنے تمام قرابت داروں اور عام مسلمانوں کے لیے نرم دل ہو،اور وہ نیک خصلت انسان جو صاحب عیال ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مانگنے سے بچائے۔

خود لطائف اشرفی میں لطیفہ نمبر ۲۴/ میں مندرجہ ذیل احادیث موجود ہیں :

(۱)-عند ملاقات الملوك تنزيل الرحمة.

یعنی بادشاہوں سے ملاقات کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔
(۲)-ان افضل عباد الله عند الله منزلة يوم القيامةامام عادل و رفيق كامل.
یعنی بیشک قیامت کے دن خدا کے نزدیک مرتبے کے لحاظ سے بہتر بندے عادل بادشاہ اور کامل دوست ہوں گے۔
(۳)- عدل ساعة خير من عبادة ستين سنة.
یعنی ایک گھڑی کا انصاف ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔
(۴) سرکار مولائے کائنات فرماتے ہیں:
سلطان عادل خیر من مطر وا بل.
یعنی انصاف پرور بادشاہ موسلا دھار بارش سے بہتر ہے۔
لہٰذا لفظ ٹھکرانے سے بہتر ہے کہ کہا جائے کہ سرکار مخدوم پاک نے سلطنت اور رعایا کو اپنے بھائی کے حوالے فرمادیا۔ایسے باکمال گوناگوں خوبیوں کے حامل سرکار محبوب یزدانی کی حیات مبارکہ کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کا بچپن بچوں کے لیے مشعل راہ اور آپ کا دور طالب علمی طالبان علوم نبویہ کے لیے مشعل راہ اور آپ کا تخت شاہی پر جلوہ افروز ہو کر شریعت وطریقت کے دائرے میں بحسن وخوبی اس عظیم ذمہ داری کو ادا کرنا بادشاہانِ زمانہ و ارباب دولت وثروت کے لیے مشعل راہ ہے، جو ذرا سی مصروفیت کی وجہ سے احکامات شرعیہ سے بالکلیہ غافل ہوجاتے ہیں۔ آپ کا دین و شریعت کی ترویج واشاعت کی خاطر ترک سلطنت کر کے وطن مالوف سے نکل کر دور ودراز ممالک کے سفر کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے صرف دین کی اشاعت کے لیے قبول کرنا علما و مشائخ کے لیے مشعل راہ ہے۔جو ذرا سی پریشانیوں پر گھبرا جاتے ہیں۔
الغرض آپ کی زندگی کا ہر پہلو درخشاں اور نمونۂ عمل ہے۔ خاص کر آج کل کے پرفتن وپرآشوب ماحول میں جب کہ ہر طرف بے راہ روی نفس پروری خود غرضی ومطلب پرستی اور کبر ونخوت کا دور دورہ ہے ہر کوتاہ قد اپنے کو بزرگ وبرتر منوانے میں لگا ہوا ہے، علم وعمل سے دوری بالکل صاف دکھائی دے رہی ہے۔اکثر مدارس وخانقاہوں کے مسند نشیں اپنے ظاہر کو سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں، صاحب فضل وشرف کی تعظیم نہ کہ برابر رہ گئی ہے، شفقت ورحمت کے لیے لوگ ترس رہے ہیں، پدرم سلطان بود کے زعم میں اکثر اکابر واصاغر گرفتار دکھائی دے رہے ہیں، ایک دوسرے سے دوریاں بڑھتی جارہی ہیں، مطلق العنانی شباب پر ہے، ہر کس وناکس اپنی علمی وفکری ناپختگی اور فقہی بے بصیرتی کے باوجود علما ومشائخ کو اپنے فتوؤں کا نشانہ بنانے میں بے باک دکھائی دے رہا ہے، فکر وتدبر سے عاری لوگ مفکر، مدبر جیسے القابات سے اپنے ناموں کو مزین کر رہے ہیں ایسے وقت میں سرکار غوث العالم کے ارشادات وفرامین کی اہمیت و افادیت مزید دوبالا ہوجاتی ہیں۔اور علم وعمل کی طرف قلوب واذہان کو مائل کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔سرکار غوث العالم کے مندرجہ ذیل فرامین کو وہ حضرات غور فکر سے پڑھیں اور تکبر وعناد سے الگ ہو کر اس پر عمل کی کوشش کریں جو علم وعمل کی دنیا سے کوسوں دور ہیں اور شریعت وطریقت کے تقاضے سے خود کو آزاد رکھتے ہوئے بھی اپنے کو اس میدان کا عظیم شہسوار سمجھتے ہیں۔پیری مریدی جو وصول الی اللہ کا ذریعہ تھا اسے ایسے دنیا داروں نے دنیا طلبی کا ذریعہ بنالیا جن کا ظاہر وباطن پراگندہ اور دل حرص و طمع کا منبع ہے۔مگر بلند بانگ دعوے ایسے کہ لگتا ہے کہ ارباب تصوف ان کے سامنے کاسۂ گدائی لیے کھڑے ہوں۔
سرکار غوث العالم فرماتے ہیں: من لم يعمل اكتساب المجاهدة .لم يصل الى جناب المشاهدة.
جس نے کسب مجاہدہ کا عمل نہیں کیا۔وہ حضور مشاہدہ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا ہے۔
(۲)-نیز سرکار غوث العام نے فرمایا: بزرگوں کے کلمات اور صالحین کی حکایات بہت اثر رکھتی ہے۔لیکن جب تک ان حضرات کی سیرت کو اختیار نہیں کیا جائے گا اور ان بزرگوں کے طریقہ کو نہیں اپنایا جائے گا بے راہ رو طریقت اپنے مقصد کو نہیں پہنچ سکتا۔
(۳)-سرکار غوث العالم فرماتے ہیں کہ: ولی کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ آقا ﷺ کا قولا وفعلا اور از روئے اعتقاد تابع ہو اللہ تعالی کا ارشاد ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ. اے محبوب! فرمادیجیے اگر تم اللہ کو دوست رکھنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔
یعنی سلوک وطریقت میں حضور ﷺ کی پیروی کے راستے کو طے کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے تابع پابند ہے اپنے متبوع کے حکم کا۔
(۴)-سرکار غوث العالم نے فرمایا کہ: ولی کو چاہیے کے وہ ناموزوں نہ ہو۔ حضرت نور العین نے عرض کیا کہ موزونی سے کیا مراد ہے۔؟ حضرت قدوۃ الکبریٰ نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ ان کے تمام افعال وحرکات پسندیدہ ہوں اور میزان شریعت وطریقت پر موزوں

ہوں کہ ایک بات بھی اور ایک کام بھی صوفیہ کی روش اور شریعت کے خلاف نہ ہو۔

(۵)- حضرت شیخ مبارک نے عرض کیا کہ اہل ولایت کے کچھ مزید اوصاف کے بارے میں حضرت بیان فرمائیں! ارشاد فرمایا:

ابو عبد اللہ سالمی سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ ہم مخلوق کے درمیان اولیاء اللہ کو کس طرح پہچانیں تو انہوں نے فرمایا اولیا کی شناخت لطافت زبان، حسن اخلاق، تازہ روئی، سخاوت نفس، قلت اعراض، ہر عذر خواہ کے عذر کو قبول کرنا اور تمام مخلوق پر شفقت خواہ نیکوکار ہوں یا بدکار، سیرت نبوی ﷺ کی اکثر خصوصیات اور اکثر مصطفوی اوصاف اس میں موجود ہونا چاہئیں کہ ولی ہر حال میں نبی کا تابع ہے۔ (لطائف اشرفی)

آج کے اس نفس پروری کے دور میں جب کے ہر چہار جانب جبہ و دستار کی آڑ میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، بے عملی شباب پر ہے، شریعت و طریقت کے مبادیات سے ناواقف حضرات بھی کشف و کرامات کے دعوے میں مصروف ہیں، ان کے لیے سرکار غوث العالم کے مذکورہ اقوال کافی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابرین نے اپنے آپ کو اپنے اجداد و مشائخ کی مسند کے لائق اس وقت تک نہیں سمجھا اور اس وقت تک اس پر جلوہ نشین نہیں ہوئے جب تک کہ ظاہری و باطنی علوم کے ساتھ ہی ساتھ مجاہدہ بالنفس کی سنگلاخ وادیوں سے اپنے آپ کو نہیں گزار لیا۔ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مادرزاد ولی ہونے کے باوجود سالوں سال عبادت و ریاضت اور جہاد بالنفس میں مشغول رہے۔ حتیٰ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چالیس سال تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے رہے۔ اور پچیس سال تک عراق کے جنگلوں میں ذکر و فکر میں مصروف رہے۔ حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ستر سال اللہ کی عبادت کی، اس درمیان میں عالم یہ رہا کہ ایک ایک، دو دو سال تک نفس کو ایک گھونٹ پانی تک نہیں دیا اور نفس کی کوئی آرزو پوری نہیں کی۔ (ہشت بہشت)

اور ہم ہیں کہ بے مرغن غذا کے ایک لقمہ بھی حلق کے نیچے نہیں اترتا اور خواہشات نفسانی کا عالم یہ ہے کہ حرام و حلال میں بھی ہم تمیز کرنے کی چنداں کوشش نہیں کرتے۔

سرکار مخدوم المشائخ خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر رات تراویح میں دو مرتبہ قرآن شریف ختم فرماتے تھے۔ (ہشت بہشت) اور دس سال تک خود کو کھانا نہیں دیا۔ (سبع سنابل) اور ہم ہیں کہ ایک سے ڈیڑھ پارہ کی تلاوت جان پر مصیبت ہو جاتی ہے۔ اور ہر دن تینوں وقت کھائے بغیر چھٹکارا نہیں۔

سرکار عطائے رسول خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ستر سال تک رات کو آرام نہ کیا اور نہ پشت زمین سے لگائی۔ ستر سال تک آپ کا وضو سوائے حاجت انسانی کے نہ ٹوٹا۔ (سبع سنابل)

خود سرکار غوث العالم، محبوب یزدانی کے بارے میں مذکور ہے کہ آپ نے ایک دفعہ چالیس روز کا روزے کے ساتھ چلہ کیا ہر روز خادم افطار کے وقت ایک روٹی بارگاہ میں پیش کرتا جب چالیس دن پورے ہو گئے تو آپ نے اس شہر سے کوچ کیا جب خادم حجرۂ خاص میں گیا تو اس نے دیکھا کہ چالیس روز کی چالیس روٹیاں ویسے ہی رکھی ہوئی تھیں۔ (لطائف اشرفی)

سرکار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ جو پیر اہل سنت و جماعت کے طریق پر پابند نہیں اور اس کے افعال و اقوال، حرکات و سکنات، حدیث و قرآن مجید کے مطابق نہیں تو وہ اس راہ میں رہزن ہے۔

نیز فرمایا کہ: جو درویش ستر پردوں میں ہے اور ذرہ بھر بھی روشنی اسے نصیب نہیں ہوئی وہ کسی کو مرید کرنا چاہتا ہے اور اسے خود مقراض اور خرقہ کی رسوم سے واقفیت نہیں وہ خود بھی گمراہ ہے اور مرید کو گمراہ کرے گا۔ درویش کو عالم اور صاحب قوت ہونا چاہیے تاکہ مقراض اور خرقہ کی رسوم میں اہل سنت و جماعت کے خلاف نہ کرے۔ (راحت القلوب)

آج تو ہم حرام و حلال میں تمیز نہیں کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لا یقبل اللہ صلوٰۃ امرء فی جوفہ حرام.

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام غذا پڑی ہو۔

سرکار غوث العالم فرماتے ہیں کہ: عالم بے عمل ایسا ہے جیسے آئینہ بے قلعی کے۔ کیوں کے جب تک علم کے آئینے میں عمل کی قلعی نہ ہوگی احوال، مقامات کا چہرہ نظر نہ آئے گا اور لطائف قلبی کی لطافت نہ بڑھے گی۔ علم کا طالب جانتا ہے کہ تنہا علم اس کے نجات کا سبب ہو گا مواخذۂ آخرت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے علم کا حاصل کر لینا کافی ہے۔ علم کو عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اعتقاد نہایت خراب اور

فلسفیوں کا مذہب ہے۔ سبحان اللہ! عجب طالب علم ہے کہ علم تو حاصل کرتا ہے اور اتنا نہیں جانتا کہ جب علم حاصل کر لیا اور اس پر عمل نہ کیا تو مواخذہ اور گرفت کی حجت زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔ کیا یا اس کو خبر نہیں کے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اشد الناس عذابا یوم القیامة من لم ینفعه الله بعلمه.

قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جس کے علم نے نفع نہیں دیا۔

یعنی جس نے علم کے مطابق عمل نہیں کیا اسے کوئی فائدہ نہیں۔

سرکار غوث العالم نے فرمایا: اے فرزند! اعمال اور احوال سے تہی دست نہ ہو اور اس بات پر یقین کر کہ صرف علم تیری دستگیری نہیں کر سکتا۔ اس کا اندازہ تجھے اس مثال سے بخوبی ہو جائے گا کہ اگر کوئی شخص جنگل میں جا رہا ہے اور دس اعلیٰ تلواریں اس کے پیٹ سے بندھی ہیں اور دوسرے آلات حرب بھی اس کے پاس موجود ہیں اور اس کے ساتھ وہ تیر انداز اور جنگی اور لڑنے والا بھی ہے۔ ناگاہ کوئی شیر اس پر حملہ کر دے اور وہ ان ہتھیاروں سے کام نہ لے تو کیا وہ شیر کے خطرہ اور گزند کو ٹال سکتا ہے؟ (صرف اسلحہ پاس ہونے سے شیر نہیں بھاگے گا جب تک ان سے کام نہ لیا جائے) اسی طرح اگر کوئی شخص کئی لاکھ مسئلے پڑھ لے اور اس کو یاد بھی ہوں لیکن عمل نہ کرے تو اس سے کیا فائدہ اور کیا حاصل۔ (لطائف اشرفی)

سرکار غوث العالم اور مشائخ کرام کے فرامین سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ علم و عمل لازم ہے۔ یوں ہی منصب سجادگی و پیری مریدی کے لیے اس کے احوال و کوائف اور ارکان و شرائط کا جاننا اور اس پہ عمل کرنا ضروری ہے۔ صرف نعرہ لگانے و لگوانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بلکہ آپ کو خود آگے بڑھ کر نسبی شرافت کے ساتھ ہی ساتھ کسبی شرافت سے آراستہ ہونا ہوگا تاکہ آپ کو اپنے تعارف کے لیے سلسلہ و شجرہ کی عظمت کو دکھانے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ آپ کا خود کردار و عمل آپ کی عزت و عظمت و فضل و شرافت کا خطبہ پڑھوانے پر اپنے تو اپنے بیگانے کو بھی مجبور کر دے ورنہ اس کے بغیر سوائے ذلت و خواری اور نقصان کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

حدیث پاک میں ہے: ومن ابطأ به عمله لم یسرع به نسبه .

اور جس کا عمل اسے پیچھے کر دے اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔ (ابن ماجہ)

حضرت شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

علم چندا نکہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بوود نہ دانش مند
چار پائے برو کتابے چند
آں تہی مغز را چہ علم و خبر
کہ براو ہیزم است یا دفتر

نیز فرمایا:

عالم ناپرہیز گار کور مشعلہ داراست
یہدیٰ بہ و ہولا یہتدی

اور مزید ارشاد فرمایا:

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

سرکار غوث العام کے فرامین کا بغور مطالعہ کریں تو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ آپ نے علم و ادب کے ساتھ ہی ساتھ عمل کی بہت تاکیدیں فرمائی ہیں اور بے عملوں کے لیے بہت سی وعیدیں اور زجر و توبیخ بھی بیان فرمائی ہیں سرکار غوث العالم نے فرمایا جس شخص کی زندگی میں صرف ایک ہفتہ باقی رہا ہو اس کو چاہیے کہ علم فقہ (مسائل شرعیہ) سیکھنے میں مشغول رہے۔ دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعات نوافل سے بہتر ہے۔ (لطائف اشرفی)

آپ کے اس قول کی تائید حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے: لا عبادة الا بفقه و مجلس فقه خیر من عبادة ستین سنة. یعنی فقہ کے بغیر کوئی عبادت نہیں اور فقہ کی ایک مجلس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (کنز العمال)

عن ابی ذر رضی الله تعالی عنه قال قال لی رسول الله لان تغدو فتعلم بابا من العلم عمل به او لم یعمل خیر من ان تصلی الف رکعة .

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا صبح کے وقت تمہارا علم کا کوئی باب سیکھنا چاہے اس پر عمل ہوا یا نہ ہوا وہ تمہارے ایک ہزار رکعات نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

سرکار غوث العالم سے مجلس میں ایک شخص نے عرض کیا: حضور اس پر کوئی قرآنی دلیل بھی ہے کہ عالم بے عمل کو کچھ حاصل نہیں

ہوگا۔ حضرت نے فرمایا: بہت سے مقامات پر اس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے، سنو! ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لیس للانسان الا ما سعیٰ.

آدمی کے لیے نہیں مگر جو اس نے کمایا۔

ہاں تمہیں اے فرزند یہ معلوم ہوگا کہ یہ آیت منسوخ ہے لیکن ان دوسری آیات کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝

تو جو اپنے رب کے حضور حاضری کی امید رکھتا ہو اسے چاہئیے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں (ہرگز) کسی کو شریک نہ کرے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

بدلہ اس کا جو وہ (نیک) کام کرتے تھے۔

نیز فرمان الٰہی ہے: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا.

اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے۔

سرکار غوث العالم نے مزید ارشاد فرمایا:

بندہ کے لیے بغیر عبادت کے چارۂ کار نہیں، بندہ کو بندگی بجا لانا چاہئے اور کریم کو کرم سزاوار ہے۔ اور اس کو بندگی میں ایسا مستغرق ہونا چاہیے کہ اس کی جزا کا خیال بھی اس کے دل میں پیدا نہ ہو۔ بلکہ محض خداوند تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں یہ بندگی ہونی چاہیے (نہ کہ امید ثواب و جزا پر) اگر وہ اس بندگی میں قبولیت کے آثار نہ بھی پائے جب بھی اس سے نہ رکے۔ (لطائف اشرفی)

اللہ اکبر سرکار کے اس فرمان میں جہاں عمل کی تاکید ہے وہیں خلوص وللّٰہیت کا درس بھی ہے نیز یہ بھی سبق ملا کہ بندہ کو رب کی عبادت جنت کے لالچ یا جہنم کے خوف سے نہیں کرنی چاہیے بلکہ میرا معبود حقیقی اور خالق و مالک اس قابل ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اللہ رب العزت کا احسان عظیم ہے اور اس کے حبیب علیہ وآلہ وسلم کا کرم بالائے کرم ہے کہ ہم جس خانقاہ و خانوادے سے منسوب ہیں وہ سلطان اشرف کا خانوادہ ہے، یہاں کی چھ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ خانقاہ علم و عمل اور شریعت و طریقت کا سنگم رہی ہے۔ اور آقاؤں کے فیضان سے یقین ہے کہ صبح قیامت تک رہے گی۔ اس خانوادے کے افراد جہاں خود علم و معرفت اور شریعت و طریقت کے علم بردار ہیں وہیں اپنی بارگاہ کے بے شمار جاروب کشوں کو علم بردار بنا دیا ہے۔ اس خانوادہ کی شناخت علم و عمل، فکر و تدبر اور خدمت خلق ہے۔ اپنے وقت کے رازی و غزالی یہاں کے کفش برداروں میں رہے ہیں۔ سرکار غوث العالم سے لے کر آج تک کی چھ سو سالہ تاریخ اس خانوادہ کی ہر میدان میں امامت و قیادت پر شاہد ہے۔ کوئی دور ایسا نہیں گزرا جب یہ خانوادہ ظاہری و باطنی علوم و فنون سے آراستہ نہ رہا ہو اور رب کی ذات سے یقین ہے کہ صبح قیامت تک کبھی بھی اس خانوادے سے علم و عمل و فضل و شرف اور قوم کی امامت و قیادت ختم نہیں ہوگی۔ کیوں کے خانوادۂ اشرفیہ کے اکابر و اصاغر اور فیض یافتوں کے نگہبان خود سرکار غوث العالم ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ”من بہر حالے بفرزندان خویش ناظرم در ہر مکاں بے کم و کاست۔“ میں بے شک و شبہ ہر حال میں اور ہر مقام میں اپنی اولاد کا نگہبان و محافظ ہوں۔

سرکار امام زین العابدین جانشین سرکار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لی خمسة اطفی بها، حرّ الوباء الحاطمه
المصطفیٰ والمرتضی، وابناهما والفاطمه

سرکار امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

آل النبی ذریعتی وهم الیه وسیلتی
ارجوا بهم اعطی غدا بیدی الیمین صحیفتی

اور شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ برقول ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و دامان آل رسول

حضرت بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ نے فرمایا

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصود کائنات
خیر النساء حسین و حسن مصطفیٰ علی

اور ہماری قسمتوں کی معراج یہ ہے کہ جس نسل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خون مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن سے ہم منسلک ہیں انہیں خانوادۂ اشرفیہ اور اولاد غوث اعظم کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ جو نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں۔ اسی لیے تو سرکار ہم شبیہ غوث اعظم حضور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ

اشرفی ناز کر تو اشرف پر
کون پاتا ہے خاندان ایسا

# خانوادۂ اشرفیہ اور خانوادۂ رضویہ کے علمی وروحانی تعلقات

## باہمی خوشگوار روابط وتعلقات کے دلنشیں اور سبق آموز واقعات

مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

**برصغیر** ہندوپاک میں سینکڑوں کی تعداد میں ایسی خانقاہیں موجود ہیں جو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی آماجگاہ، صوفیاے کرام کی روحانی تعلیمات کا مرکز اور شریعت وطریقت کے حسین سنگم ہیں۔

رشد وہدایت کے ایسے ناموراور پاکیزہ خانقاہوں، علم وادب کے بلند میناروں اور دین وسنیت کے روشن ومضبوط قلعوں میں خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ اور خانوادۂ رضویہ بریلی شریف کو عالمی سطح پر جو شہرت وعظمت، رفعت ومقبولیت اور نمایاں مقام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں، ان کی دینی، علمی اور مذہبی خدمات کا دائرہ حدِ جہاں وسیع اور آفتاب نیمروز کی طرح تاباں وعیاں ہے، دونوں خانوادے کے تبلیغی مشن میں یکسانیت، فروغ اہل سنت اور رد فرقہائے باطلہ دونوں ہی کا ہدف ہے، ان کے علما ومشائخ نے اس فریضہ کو خوب خوب انجام بھی دیا، اس کے لیے کتابیں لکھیں، تقریریں کیں، تحریکیں چلائیں اور مناظرے کیے، جن سے اہل سنت وجماعت کو کافی تقویت ملی اور خوب اس کا بول بالا ہوا، اہل سنت وجماعت نے اپنے ایمان وعمل کے تحفظ وبقا کے لیے ان سے وابستگی حاصل کی اور ان کو اپنا علمی وروحانی مرکز تسلیم کیا بلاشبہ ان کی یہ خدمات لائق تحسین اور ناقابل فراموش ہیں۔

مجدد اسلام حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی جس زمانے میں ولادت ہوئی اس وقت خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے تیرہویں سجادہ نشین شیخ المشائخ سید شاہ منصب علی اشرفی جیلانی قدس سرہ منصب سجادگی پر جلوہ ریز تھے، جب امام احمد رضا قدس سرہ بلوغ کی منزل میں پہنچے اور عمر کے تیرہویں زینے پر قدم رکھا اس وقت ہم شبیہ غوث اعظم مجدد سلسلۂ اشرفیہ حضور اعلیٰ حضرت ابواحمد محمد علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ کے برادر گرامی اشرف الاولیا حضرت مولانا سید شاہ اشرف حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ النورانی خانوادۂ اشرفیہ میں چودہویں سجادہ نشین کی حیثیت سے منصب سجادگی پر رونق افروز ہوئے، پھر ۳/ ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۴/ جون ۱۸۶۱ء میں حضور اشرف الاولیا سید شاہ اشرف حسین نے اپنے برادر حقیقی حضور اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہما کو اکیس سال کی عمر میں منصب سجادگی تفویض فرمایا اور آپ اُنہتر سال تک خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے سجادہ نشین رہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی ولادت ۱۰/ شوال ۱۲۷۲ھ میں ہوئی اور وصال ۲۵/ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو ہوا، آپ کی کل عمر اڑسٹھ سال کی تھی، اس زاویے سے اگر دیکھا جائے تو عہد رضا میں خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کی مسند سجادگی پر یہی تین سجادہ نشین متمکن ہوئے اور امام احمد رضا قدس سرہ کی ولادت، بچپن، جوانی، بڑھاپا، طالب علمی عروج وارتقا اور امامت وقیادت کے ادوار بالترتیب ان ہی تینوں مشائخ اشرفیہ کی مشیخیت اور عہد سجادگی میں پایہ تکمیل کو پہنچے۔

چودہویں صدی ہجری میں خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کی مرکزی شخصیت حضور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات تھی اور خانوادۂ رضویہ بریلی شریف کی مرکزی شخصیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات تھی اور اہل سنت وجماعت اپنے ان دونوں ہی اکابر کے لیے "لفظ اعلیٰ حضرت" استعمال کرتے تھے جب کہ اس سے قبل اعلیٰ حضرت کا استعمال دیوبندیوں نے اپنے اکابر کے لیے شروع کیا تھا، حضور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں امام احمد رضا قدس سرہ کے تبحر علمی، فہم وادراک اور تجدید واحیائے دین کے کارناموں کے معترف تھے، اسی طرح حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ بھی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کی مشیخیت، جمال ظاہری وباطنی اور کمالات روحانی کے دلدادہ تھے، ان دونوں روحانی ہستیوں کا آپس میں عقیدت ومحبت کا عالم یہ تھا کہ جہاں بھی ملتے ایک دوسرے کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے اور دست بوسی کرتے تھے، امام احمد رضا قدس سرہ جس مسند علم وعرفان پر بیٹھ کر تصنیف وتالیف، تحقیق وجستجو اور علمی خدمات انجام دیتے تھے اس پر کسی کو نہیں بیٹھاتے تھے مگر جب حضور اشرفی میاں امام احمد رضا قدس سرہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ کو اپنی مسند پر بٹھاتے تھے اور خود کھڑے رہتے تھے۔

استاذ العلما علامہ تقدس علی بریلوی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں کچھوچھوی

قدس سرہ از اولاد امجاد سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر وبیشتر بریلی شریف اعلیٰ حضرت سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت ان کا اور وہ اعلیٰ حضرت کا بہت ہی ادب واحترام فرماتے، دونوں ایک دوسرے کی دست بوسی فرماتے، اعلیٰ حضرت جس مسند پر تشریف فرما ہوتے تھے، اس پر کسی کو نہیں بٹھاتے تھے لیکن ایک بار میری موجودگی میں حضور اشرفی میاں اعلیٰ حضرت سے ملنے تشریف لائے تو اعلیٰ حضرت نے ان کو اپنی مسند پر بٹھایا، حضور اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہ کا واقعہ ہے کہ جب ٹرین سے سفر فرماتے اور اگر ٹرین بریلی شریف سے گزرتی ہوئی جاتی تو حضرت اشرفی میاں ٹرین میں کھڑے ہوجاتے رفقا پوچھتے ؟حضور! کیوں کھڑے ہوئے ؟ توفرماتے:

"قطب الارشاد مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب اپنی مسند پر اس آل رسول کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے ہیں، میں نائب رسول کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔"

(تجلیات امام احمد رضا، ص:۱۳۱ بحوالہ ماہ نامہ ماہ نور اگست ۲۰۱۱ء)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی کے درمیان گہرے تعلقات کا ہی نتیجہ ہے کہ جب سرکار کلاں کی ولادت باسعادت ہوئی توآپ کے والد گرامی بریلی شریف حاضر ہوئے اور امام احمد رضا کو ولادت باسعادت کی خبر دی۔

"شہزادۂ حضور اشرفی میاں زینت کچھوچھہ مقدسہ فخر خاندان اشرفیہ مولانا سید احمد اشرف صاحب اشرفی جیلانی ۱۳۳۳ھ میں بریلی شریف اعلیٰ حضرت سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضور! آپ کے پوتے کی ولادت ہوئی ہے، چوں کہ موصوف اعلیٰ حضرت سرکار کے تلمیذ وخلیفہ تھے، رشتۂ طریقت کی بنا پر فرمایا کہ "آپ کے پوتے کی ولادت ہوئی ہے۔ حدیث پاک میں "محمد" نام کی فضیلت آئی، یوں اس کا نام "محمد" رکھ دیا ہے۔ حضور کوئی تاریخی نام رکھ دیں اور دعا فرمائیں۔"، اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرمایا "ان کے نانا جان مختار کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی تو ہیں، لہذا فقیر اس بچے کا نام "محمد مختار" (۱۳۳۳ھ) رکھتا ہے، دیکھئے شاید سن ولادت ہوگئی۔" جب اعداد کا شمار کیا تو پورے ۱۳۳۳ھ ہوئے اور یہی سن ولادت تھا، ایک سکنڈ کے بعد فوراً اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرمایا:

"حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ الربانی سے اس خاندان کو نسبت ہے، اسی بنا پر آپ کا نام "محمد اشرف" ہے، لہٰذا فقیر "محمد مختار" میں "اشرف" کا اور اضافہ کرتا ہے، اب اس نام میں یہ خوبی پیدا ہوگئی کہ "محمد مختار" سے سن ہجری نکلے گی اور "محمد مختار اشرف" (۱۹۱۴ء) سے سن عیسوی نکلے گی، خدا مبارک کرے، علم نافع، عمل صالح عطا فرمائے اور آپ کا سچا جانشین بنائے۔" (ماہنامہ کنز الایمان دہلی، جلد:۱۵، شمارہ:۱۰، ص:۳۰)

دونوں مرکزی شخصیتوں کی باہمی الفت ومحبت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فرزند اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضور اشرفی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سلسلہ منوریہ میں خلافت دلوائی اور حضور اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے فرزند اکبر حضرت مولانا سید احمد اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہ کو امام احمد رضا قدس سرہ سے سلسلہ قادریہ میں خلافت دلوائی۔

ان دونوں باکمال شخصیتوں کے درمیان خوشگوار تعلقات وروابط کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ایک مرتبہ دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی، حضور اشرفی میاں نے امام احمد رضا قدس سرہ سے فرمایا:

"مولانا آپ کو مصطفیٰ رضا خاں کی ولادت مبارک ہو" امام احمد رضا خان قدس سرہ نے بھی آنکھیں بند کیں پھر کھول کر ارشاد فرمایا: میاں آپ کو مصطفیٰ اشرف کی ولادت مبارک ہو" کچھ دنوں کے بعد بریلی کے تاجدار کے یہاں چھوٹے صاحب زادے مولانا مصطفیٰ رضا خان کی پیدائش ہوئی اور کچھوچھہ کے تاجدار کے یہاں چھوٹے صاحب زادے مولانا مصطفیٰ اشرف پیدا ہوئے۔ (شیخ اعظم، مئی ۲۰۱۲ئ، ص،۱۰۷، مطبوعہ جمیعۃ الاشرف اسٹوڈنٹ مومنٹ جامع اشرف کچھوچھہ شریف)۔

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی کو اعلی حضرت فاضل بریلوی سے کس قدر لگاؤ تھا کہ ہر ایک دوسرے کو کشف وکرامت کے ذریعے نہ صرف پہچانتے تھے بلکہ عملی طور پر بھی بہت مربوط تھے، جس پر ایک روشن دلیل یہ ہے کہ جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا انتقال پر ملال ہوا توآپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے پورا حال مشاہدہ فرمایا۔

چناں چہ محدث اعظم ہند تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں اپنے مکان پر تھا اور بریلی کے حالات سے بے خبر تھا، میرے حضور شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یک بارگی رونے لگے، یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے، میں آگے بڑھا تو فرمایا کہ:

"بیٹا! میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔"

چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا تو ہمارے گھر میں کہرام برپا ہو گیا، اس

وقت حضرت والد ماجد قبلہ حکیم الاسلام علامہ سید نظر اشرف قدس سرہ کی زبان پر بے ساختہ آیا "رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" اسی وقت ایک خاندانی بزرگ نے فرمایا کہ "اس سے تو تاریخ وصال نکلتی ہے۔(المیزان،امام احمد رضا نمبر،ص:۲۵۹)

یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے سے کس قدر محبت فرماتے تھے اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب امام احمد رضا قدس سرہ کا وصال ہوا تو حضور اشرفی میاں نے فرمایا: ان کے فراق نے میرا بازو کمزور کر دیا" اور جب حضور اشرفی میاں کا وصال ہوا تو امام احمد رضا کے شہزادوں نے نہ صرف تعزیت پیش کی بلکہ عرس چہلم میں آپ کے دونوں شہزادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے اکابر علمائے اہل سنت کے ساتھ شرکت فرمائی۔(شیخ اعظم مئی ۲۰۱۲ء، ص،۱۰۳، ناشر جمیعۃ الاشرف کچھوچھہ شریف)

امام احمد رضا قدس سرہ جس طرح حضور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کا ادب واحترام کرتے تھے اسی طرح آپ کے شہزادوں کی بھی تعظیم بجالاتے تھے، سلطان الواعظین، عالم ربانی، حضرت مولانا احمد اشرف اشرفی جیلانی (فرزند اکبر حضور اشرفی میاں) کی شان خطابت بے مثل تھی، امام احمد رضا قدس سرہٗ کے قائم کردہ ادارہ (دارالعلوم منظر اسلام) میں آپ کو خصوصی خطیب کی حیثیت سے ہمیشہ مدعو کیا جاتا تھا، امام احمد رضا قدس سرہٗ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ دیگر مقررین کی تقاریر اسٹیج پر بیٹھ کر سنتے اور جب سلطان الواعظین کا خطاب ہوتا تو آپ اسٹیج کے اوپر تشریف نہیں لے جاتے بلکہ اسٹیج کے نیچے کھڑے ہو کر آپ کی پوری تقریر سماعت کرتے اور فرماتے: "جوبات ان کی تقریر میں احمد رضا دیکھتا ہے، دیگر مقررین کی تقریر میں نہیں دیکھتا، واللہ جب یہ دوران خطابت حدیث پڑھتے ہیں تو جس راوی کی حدیث یہ سناتے ہیں ان کو برسر اسٹیج پاتا ہوں، اور ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو کر اسٹیج کے نیچے ہی تقریر سماعت کرتا ہوں۔

(ماہنامہ ماہ نور کا اشرف العلما نمبر، فروری، مارچ، ۲۰۰۸ء، ص: ۴۵)۔

حضور اشرفی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے امام احمد رضا قدس سرہ سے خاندانی، روحانی، تکریمی اور علمی تعلقات و روابط کے ساتھ مسلکی روابط بھی بہت ہی مضبوط اور مستحکم تھے، افکار و خیالات، عقائد و نظریات تصنیف و تحقیق اور احقاق حق و ابطال باطل کے تعلق سے امام احمد رضا پر آپ کو کافی اعتماد و وثوق تھا، زبان و بیان، وعظ و نصیحت اور تحریر و تقریر کے ذریعہ آپ نے امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوے اور تحریروں کی بھرپور تائید وحمایت کی اور اہل سنت و جماعت کے درمیان انتشار و اختلاف پیدا کرنے کے بجائے ہمیشہ اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی و یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کی، چنانچہ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے حق و باطل کے درمیان جب خط امتیاز کھینچا، اور۔ حسام الحرمین۔ تصنیف کی تو حضور اشرفی میاں اور خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے دیگر علما و مشائخ نے اس کی بھرپور طریقے سے تصدیق و توثیق کی، حسام الحرمین پر تائیدی دستخط کرنے والے علمائے اہل سنت کی فہرست کو دیکھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں ایک بڑی تعداد ان علما کی بھی ہے جو اس وقت حضور اشرفی میاں کے دامن کرم سے وابستہ تھے۔

علامہ حسنین رضا علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

" اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کی شفقت و محبت تو آنکھوں دیکھی ہے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے "تحریک خلافت،، کے بمقابل فتوے صادر فرمائے اور متعدد رسالے تحریر کیے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ تنظیم کے مقاصد اگر چہ بہتر تھے۔ لیکن قیادت پر غیر مسلم طاغوتی قوتیں قابض ہوگئیں اور تنظیم کی آڑ میں اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کرنے لگیں مگر چوں کہ اس تنظیم میں خود علمائے کرام کا ایک جم غفیر شریک تھا لہٰذا بدایوں، رام پور، فرنگی محل، لکھنؤ اور اجمیر کے علمائے ذوی الاحترام نے آپ کی زبردست مخالفت کی ،یہاں تک کہ شہر کانپور کی سرزمین پر "صوبہ متحدہ علمائے کانفرنس،، میں امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے مقاطعہ کا اعلان کر دیا گیا، تو اس شورش زدہ ماحول اور خاردار فضا میں اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ اپنے محبوب و پسندیدہ مجدد کے سامنے سینہ سپر ہوگئے اور اعلان فرما کر رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے فتاوے کی تصدیق ان الفاظ میں فرما کر پر زور حمایت کی " مولانا احمد رضا خاں صاحب عالم اہل سنت کے فتووں پر عمل کرنا واجب ہے کافروں کا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں۔"(ماہنامہ غوث العالم کا سرکار کلاں نمبر ص ۱۶۵)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس مناظرہ کا ذکر بھی کر دیا جائے جو درگاہ معلیٰ کچھوچھہ مقدسہ میں ہوا تھا، دیوبندیوں کی طرف سے مولوی غنیمت حسین کو مناظر بنایا گیا تھا جبکہ اہل سنت و جماعت کی جانب سے اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کے نور نظر عالم ربانی حضرت مولانا احمد اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہما مناظرے کی کمان سنبھالے ہوئے تھے، اس مناظرے میں دیوبندی مناظر مولوی غنیمت حسین نے حسام الحرمین کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تھا تو جوابی تقریر میں اہل سنت کے مناظر عالم ربانی حضرت مولانا احمد اشرف اشرفی جیلانی نے حسام الحرمین کی حقانیت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا تھا اور اس انداز میں اس کی گرفت فرمائی تھی کہ اپنے ہی جال میں

پھنس کر لاجواب ہو گیا تھا اور مناظرہ سے راہ فرار اختیار کرلیا تھا، عالم ربانی حضرت مولانا احمد اشرف اشرفی جیلانی کو فتح مبین حاصل ہوئی تھی اور اسی موقع کی مناسبت سے حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے حضرت مولانا احمد اشرف اشرفی جیلانی کے لیے یہ شعر کہا تھا:

احمد اشرف حمد و شرف لے
تجھ سے ذلت پاتے یہ ہیں

(شیخ اعظم، مئی ۲۰۱۲ء ناشر جمیعۃ الاشرف اسٹوڈنٹ مومنٹ کچھوچھہ شریف)

دونوں روحانی شخصیتوں کے درمیان گہرے روابط و تعلقات اور مسلکی اتحاد کا اندازہ اس سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضور اشرفی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک موقع سے ارشاد فرمایا:

”فقیر کو حضرت مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ سے شرف خلافت حاصل ہے اور مولانا احمد رضا خاں بھی ان کے دربار سے فیض یاب ہیں، فقیر اور وہ (حضرت محدث بریلوی) اس رشتے سے پیر بھائی ہوے، ”میرا مرید ان کا مرید ہے اور ان کا مرید فقیر کا مرید ہے جو اس کے (حضرت محدث بریلوی) خلاف ہے، فقیر (حضرت اشرفی میاں) اس سے بری ہے۔“

(حیات حضرت آل رسول احمدی ص:۱۹۰، بحوالہ ماہنامہ ماہ نور اگست ۲۰۱۱ء)

تعلقات و روابط اور تعظیم و تکریم کا یہ پاکیزہ اور روحانی سلسلہ بریلی اور کچھوچھہ کے دونوں اعلی حضرتوں کے درمیان تک صرف محدود نہ رہا، بلکہ ان کے بعد بھی ان کے شہزادوں میں جاری و ساری رہا اور دونوں خانوادوں کے فرزندان اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر چلتے رہے اور ماضی کے خوشگوار تعلقات اور مثالی رشتوں کو برقرار رکھا، چنانچہ حضور اشرفی میاں کے شہزادے عالمِ ربانی مولانا احمد اشرف علیہ الرحمہ نے اپنے حقیقی بھانجے حضور محدث اعظم ہند کو امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بارگاہِ علم و فضل میں بطور خاص اکتسابِ علوم و فنون اور مشق افتا کے لیے بھیجا، بریلی شریف میں حضور محدث اعظم ہند کے قیام سے خانوادۂ اشرفیہ اور خانوادۂ رضویہ کے رشتۂ الفت و محبت کو مزید تقویت ملی، حضور محدث اعظم ہند کا شمار امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔

مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند تحریر فرماتے ہیں:

”آج میں آپ کو جگ بیتی نہیں، آپ بیتی سنا رہا ہوں کہ جب تکمیل درس نظامی و تکمیل درس حدیث کے بعد میرے مربیوں نے کار افتا کے لیے اعلیٰ حضرت کے حوالے کیا۔ زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لیے سرمایۂ حیات ہوگئیں اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا، وہ کچھ نہ تھا اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے۔ علم کو راسخ فرمانا اور ایمان کو رگ و پے میں اتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرمادینا، یہ وہ کرامت تھی جو ہر ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔“ (المیزان، امام احمد رضا نمبر ص:۲۴۴)

حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مسلکی اعتبار سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان پر اتنا اعتماد و وثوق تھا کہا آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے:

خاندان اشرفی میں کوئی نہ گستاخ دربار رسالت تھا نہ گستاخی کو پسند کرتا تھا، سب سنی تھے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کے جن سے تعلقات ہیں وہ اب بھی بحمد اللہ تعالیٰ سنی ہیں۔ (سہ ماہی پیغام مصطفیٰ، اگست ۲۰۱۹ء ص:۴۶)

حضور محدث اعظم ہند نے شہزادگانِ اعلی حضرت فاضلِ بریلوی کے ساتھ ہمیشہ الفت و محبت قائم رکھی اور رشتہ مہر و وفا نبھاتے رہے، حضور مفتی اعظم ہند کے ایک فتویٰ کی تصدیق آپ نے ان الفاظ میں فرمائی: یہ ایک عالم باعمل کا قول ہے اور ہمیں اتباع کے علاوہ چارۂ کار نہیں۔ (شیخ اعظم مئی، ۲۰۱۲ء مطبوعہ جامع اشرف کچھوچھہ شریف)

حضور محدث اعظم ہند ہی نے سب سے پہلے شہزادۂ حجۃ الاسلام مولانا ابراہیم رضا خان علیہ الرحمۃ کو ”مفسر اعظم ہند“ کے لقب سے یاد کیا۔
(مصدر سابق)

حجۃ الاسلام مولانا ابراہیم رضا خان علیہ الرحمۃ حضور محدث اعظم ہند کے وصال کے بعد اکثر فرماتے تھے: محدث اعظم ہند کا رخصت ہوجانا نہ صرف عالم اسلام کا خسارہ ہے بلکہ ہمارے خاندان رضویہ کا بھی ذاتی خسارہ ہے کہ جب ہمارے مسائل پیچیدگی اختیار کرتے تو حضور محدث اعظم ہند ہی حل فرمایا کرتے تھے۔ (حیات محدث اعظم ہند، ص:۲۴۴)

حضور حجۃ الاسلام کے ان کلمات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خانوادۂ رضویہ سے حضور محدث اعظم ہند کو کس حد تک قربت حاصل تھی، تعلقات صرف رسمی نہیں تھے بلکہ گھریلو اور خاندانی معاملات میں بھی آپ کو عمل دخل حاصل تھا اور ان میں آپ کا رول کلیدی ہوا کرتا تھا، محدث اعظم ہند کے وصال کے بعد حضور مفتی اعظم ہند بھی اکثر یہ فرمایا کرتے تھے: ملت کے الجھے ہوئے مسائل کو اپنے ناخن تدبیر سے حل کرنے والی ذات اب ہم میں نہ رہی۔ (حیات محدث اعظم ہند، ص:۱۴۳)

مخدوم المشائخ، سرکار کلاں، حضرت سید شاہ محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہ النورانی کے عہد سجادگی میں بھی تعلقات و روابط کا یہ سلسلہ جاری رہا اور حضور مفتی اعظم ہند اور سرکار کلاں نے اپنے خانوادوں کے ان حسین روایات کو باقی رکھا اور جس خلوص و وفا، مروّت و مودّت اور باہمی ادب و احترام کا ثبوت دیا ............... **(باقی ص:۳۳ پر)**

# مخدومِ سمناں

## طریقۂ بیعت اور شرائطِ شیخ و مرید

مفتی زین العابدین اشرفی

**بیعت وارادت** یہ کوئی صدی دو صدی قبل کی ایجاد واختراع یا کسی شیخ طریقت کے ذریعہ معرضِ وجود میں آنے والی شی نہیں ہے۔ اس شجرۂ مبارکہ کی اصل زمانۂ نبوی ﷺ سے ملتی ہے اور اس کی ابتدا خود حضور ﷺ کے عہدِ زریں میں ہو چکی ہے۔ جب تک بندہ کسی مرشد کامل کے دستِ حق پرست پر توبہ کر کے اپنی پوری خودی سپرد نہیں کرتا، وہ راہِ وصول کی دشوار کن وادیوں میں حیران و پریشان ہی رہتا ہے اور انتھک محنت کرنے بعد بھی بارگاہِ صمدیت میں باریابی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ صوفیہ کے یہاں مقامِ وصول تک پہنچنے اور ذاتِ حق کا مشاہدہ کرنے کے لیے کسی صاحبِ دل شیخ طریقت کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھنا ضروری ہے، اسی عمل خاص کو اہلِ تصوف "بیعت توبہ، وتقویٰ" کہتے ہیں، اس کے جواز واستحسان پر کلامِ الٰہی اور سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں متعدد دلیلیں موجود ہیں، جن دلیلوں سے کوئی حواس باختہ، کج ذہن رکھنے والا یا تصوف ومعرفت کے اسرار ورموز سے ناواقف انسان ہی انکار کر سکتا ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

{إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ} (سورہ: فتح، آیت: ۱۰)

"یقیناً جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، در حقیقت وہ اللہ رب العزت سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ رب العزت کا دستِ قدرت ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

{يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللهَ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ} (سورہ: ممتحنہ، آیت: ۱۲)

"اے نبی! (ﷺ) جب مومن عورتیں آپ کی بارگاہ میں آئیں، تاکہ وہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ رب العزت کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گی، جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گی، جو انھوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہے اور نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ انھیں بیعت کر لیں اور ان کے لیے اللہ رب العزت سے بخشش چاہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔"

ان دو آیتوں کے بعد ہو سکتا کہ بعض کرم خوردہ اذہان میں یہ خدشہ لاحق ہو جائے کہ ذکر کردہ پہلی آیت میں توبہ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے اور دوسری آیت کا تعلق عورتوں سے ہے تو ایسے باذوق افراد کی ذہنی خلش دور کرنے کے لیے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثِ پاک جو بیعۂ عقبۂ اولیٰ کے حوالے سے ہے، جس میں ۱۲/ مردوں نے نبی ﷺ سے بیعت کی تھی، قارئین کے علمی دسترخوان پر حاضر ہے۔ امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) روایت کرتے ہیں:

" عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: كُنْتُ فِيمَنْ حَضَرَ الْعَقَبَةَ الْأُولَى وَكُنَّا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا فَبَايَعْنَا رَسُولَ الله ﷺ عَلَى بَيْعَةِ النِّسَاءِ، وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ تُفْتَرَضَ الْحَرْبُ عَلَى: أَنْ لَا نُشْرِكَ بِالله شَيْئًا، وَلَا نَسْرِقَ، وَلَا نَزْنِيَ، وَلَا نَقْتُلَ أَوْلَادَنَا، وَلَا نَأْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِيهِ بَيْنَ أَيْدِينَا وَأَرْجُلِنَا، وَلَا نَعْصِيَهُ فِي مَعْرُوفٍ، فَإِنْ وَفَّيْتُمْ فَلَكُمُ الْجَنَّةُ، وَإِنْ غَشِيتُمْ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا، فَأَمْرُكُمْ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَكُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَكُمْ"

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بیعۂ عقبۂ اولیٰ

میں بھی حاضر تھا، ہم ۱۲؍افراد تھے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے ویسی ہی بیعت کی جیسی عورتوں نے کی تھی۔ یہ واقعہ فرضیتِ جہاد سے پہلے کا ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم اللہ رب العزت کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، بدکاری نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے، ایک دوسرے پر بہتان تراشی نہیں کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ الخ‘‘ (مسند احمد: ۷/۳/۴۱۵)

مذکورہ نصوص سے ہر ہوش مند اور زندہ دل انسان پر یہ راز منکشف ہو گیا ہوگا کہ بیعت وارادت کی ابتدا قرنِ اول ہی میں ہو چکی تھی اور جسے صوفیہ ’’بیعتِ توبہ وتقویٰ‘‘ کہتے ہیں، اس کا تعلق بھی زمانۂ رسالت ہی سے ہے؛ کیوں کہ ذکر کردہ نصوص میں شرک، چوری زنا، ناحق قتل، بہتان تراشی اور نافرمانیِ رسول جیسے عظیم گناہوں سے توبہ کا ذکر ہے، جو توبہ وتقویٰ کی اعلیٰ قسم ہے۔

**طریقۂ بیعت** : مذکورہ آیات کی روشنی میں جہاں عورتوں کا مرید ہونا، بیعت کے اغراض ومقاصد وغیرہ جیسے اہم نکات سامنے آتے ہیں، وہیں ایک اور اہم نکتے کی جانب رہنمائی ملتی ہے کہ ’’طریقۂ بیعت‘‘ کیا ہونا چاہیے؟ آج ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ طریقت ایک رومال یا چادر پھیلا دیتے ہیں اور ارادت خواہ حضرات اس کا کنارہ پکڑ کر مرید ہو جاتے ہیں۔ کوئی محض دل میں ارادہ کرتا ہے اور مرید بن جاتا ہے۔ بعض افراد بعدِ وصال بھی ارادت کا رشتہ بنا لیتے ہیں۔ کیا اس طرح کی بیعت کا تصور متقدمین صوفیہ کے یہاں ملتا ہے؟ اس حوالے سے بڑی ہی دو ٹوک بات حضرت سلطان سید اشرف جہاں گیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی ہے کہ ’’مریدوں کا اولیائے روزگار کی ارادت میں داخل ہونے اور زمانہ کے اصفیا سے مستفید ہونے کا سرچشمہ یہ ارشادِ خداوندی ہے:

’’اے ایمان والو! اللہ رب العزت سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔‘‘ اور ’’ان کے ہاتھوں پر اللہ رب العزت کا دستِ قدرت ہے۔‘‘

آگے فرماتے ہیں کہ جب ارادت کا ان دلائل سے ثبوت بہم پہنچ گیا تو پھر بیعت بھی لازم وواجب ہو گئی، اس لیے کہ ارادت تو بیعت کے بغیر ایک بے بنیاد وعدہ ہے۔

چوں بر ہم دست دریاران نباشد
یقیں میدان کہ آں پیمان نباشد

ترجمہ: جب تک یاروں کا ہاتھ یار کے ہاتھ میں نہیں ہوتا، یقین کر لو کہ وہ عہد و پیمان نہیں ہے۔‘‘ (لطائفِ اشرفی : ۱۲لطیفہ)

حضرت قدوۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے مزید فرماتے ہیں:

’’بیعت اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی، جب تک شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا جائے، سر پر قینچی نہ چلائی جائے (بال نہ کترے جائیں) اور شیخ سے خرقہ نہ پائے، اگرچہ مقراض اور خرقہ کو لازمی شرائط میں شمار نہیں کیا گیا ہے، لیکن سلسلۂ صوفیہ میں اس کا استعمال کثرت سے ہوا ہے کہ اب کوئی ترک نہیں کرتا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ مرید اس وقت تک کامل مرید نہیں بن سکتا، جب تک شیخ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لے، اس کے بال نہ کاٹے جائیں اور شیخ اسے خرقہ نہ عطا کرے۔‘‘ (لطائف اشرفی :۱۲لطیفہ، شرائطِ بیعت)

حضرت سلطان سید مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ بیعت حقیقی وہی ہے، جس میں شیخ اپنے ارادت مند کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر رکھے اور خود قرآن کی جس آیتِ کریمہ سے بیعت مستفاد ہے، اس میں بھی اسی طریقے کا ذکر ہے: {ید اللہ فوق أیدیھم} ’’ان کے ہاتھوں پر اللہ رب العزت کا دستِ قدرت ہے۔‘‘

حضرت سلطان سید اشرف جہاں گیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ محض قول نہیں، بلکہ عمل بھی ہے، جس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بیعتِ سنت وہی ہے، جو دست در دستِ شیخ ہو۔ لطائفِ اشرفی کے بارھویں لطیفے میں ہے:

’’جب پہلی مرتبہ رایات علائی واعلام فقرائی کا نزول ظفر آباد میں ہوا ’’اللہ رب العزت اس شہر کو آفتوں سے محفوظ رکھے‘‘ تو حضرت شیخ حاجی چراغ ہند اور قدوۃ الکبریٰ کے درمیان جامع مسجد ظفر آباد میں اتفاقاً ملاقات ہوئی، یہ دونوں حضرات وہاں تشریف فرما تھے کہ چوروں اور ڈاکوؤں کی ایک جماعت وہاں آئی، یہ لوگ چوری اور ڈکیتی میں بہت مشہور تھے۔ انھوں نے حضرت قدوۃ الکبریٰ کے سامنے داخلِ ارادت ہونے کی درخواست کی اور اس پر مصر ہوئے۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ نے از راہِ انکسار حاجی چراغ کی

طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے مریدوں میں داخل کر لیجیے۔ انھوں نے فرمایا: ارادت نام ہے توبہ کا اور یہ لوگ توبہ کرتے ہی نہیں ہیں، لہٰذا یہ ارادت میں کس طرح داخل ہوسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں باہم بہت کچھ اصرار ہوا (حاجی چراغ ہند کسی طرح راضی نہ ہوئے) تب حضرت قدرۃ الکبریٰ نے فرمایا: ہم جواں مرد لوگ ہیں اور سائل کو اپنے دروازے سے ناامید واپس نہیں کرتے ہیں، پھر ان لوگوں سے کہا: آگے بڑھو، تاکہ ہم تم کو اپنی بیعت وارادت میں داخل کریں۔ ان لوگوں نے اپنے ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیے، جیسے ہی حضرت نے ان میں سے ہر ایک کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا، وہ لرز گئے اور توبہ واستغفار کرنے لگے۔ جب خود انھوں نے توبہ کی استدعا کی تو حضرت نے ان میں سے ہر ایک کو توبہ کرائی، ان کے سر پر ٹوپی رکھی اور ان کے بال تراشے۔ جب حق تعالیٰ نے ان کو شرفِ ارادت سے مشرف کرایا تو بیعت کی برکت سے انھیں سلوک کی توفیق حاصل ہوئی اور اپنے زمانے کے مشہور مشائخ اور بزرگانِ طریقت میں ان کا شمار ہونے لگا۔" (لطائفِ اشرفی: لطیفہ ۱۲)

واقعۂ مذکورہ سے چند نکات ظاہر ہوتے ہیں۔

**پہلی بات**: ارادت مند چاہے کتنا ہی گناہ گار وخطار کار کیوں نہ ہو، حلقۂ ارادت میں داخل کرلینا چاہیے، ممکن ہے بیعت کی برکت اور سلسلۂ طریقت کے کسی بزرگ کی نگاہِ فیض سے اس کے عروقِ مردہ میں زندگی کی نئی رمق پیدا ہوجائے اور وہ وقت کا ولیِ کامل و مرشدِ برحق بن جائے۔

**دوسری بات**: اگر محلِ بیعت وارادت میں کوئی دوسرا شیخِ طریقت بھی جلوہ افروز ہو تو پہلے اس سے درخواست کرنا چاہیے کہ آپ انھیں اپنے ارادت مندوں میں شامل فرمالیں، تاکہ اس کے دل میں کسی قسم کے خیالات کا ورود نہ ہو۔

**تیسری بات**: اگر کوئی حاجت مند انسان آپ کے درِ دولت پر آجائے تو اس کی حاجت روائی کریں کہ یہی طریقۂ صوفیہ ہے، بلکہ یہی منہجِ مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہے۔

**چوتھی بات**: جو محلِ استشہاد اور مدارِ کلام بھی ہے کہ مرید اس وقت تک مرید نہیں ہوتا، جب تک کہ شیخ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دے، کیوں کہ یہی طریقۂ بیعت صوفیہ کے یہاں مروج و متعارف ہے اور اسی پر قرنِ اول سے لے کر اب تک کے اربابِ تصوف کا تعامل رہا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو طریقۂ بیعت عصرِ حاضر میں رائج ہے، اسے بیعت کے کس زمرے میں رکھا جائے؟ کیا اسے بیعتِ طریقت کہنا درست ہوگا؟ کیا ایسی بیعت سنتِ نبوی کے موافق ہوگی؟ تو میں سراپا ادب ہوکر عرض گزار ہوں کہ بیعت کا جو طریقہ نصف صدی سے ہمارے یہاں چل پڑا ہے، میرے ناقص فہم میں اسے بیعتِ طریقت نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس قسم کی بیعت موافقِ سنت کہلائے گی؛ کیوں کہ بیعت کے لیے دست در دست ہونا ضروری ہے، تاہم ایسی بیعت کو بیعتِ تبرک کہا جائے تو بہتر وانسب ہے۔ مشائخ کے طرزِ عمل سے اسی جانب اشارہ ملتا ہے۔ حقیقی بیعت نہ کرنے والے کو مشائخ بیعتِ تبرک کے ہی درجے میں رکھتے ہیں۔

چنانچہ لطائفِ اشرفی کے باھویں لطیفے میں یہ واقعہ مذکور ہے:

"حضرت قدوۃ الکبریٰ نے تقریباً ان الفاظ میں فرمایا کہ حضرت شیخ احمد کنبوہ، حضرت شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طاقیہ کی درخواست کی، حضرت نے ان کو طاقیہ (کلاہ جو عمامہ کے نیچے پہنایا جاتا ہے) عنایت فرمایا اور بیعت نہیں کی۔ جب حضرت شیخ نظام الدین اولیا نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا تو شیخ احمد، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی خدمت میں بیعت کے ارادے سے حاضر ہوئے۔ انھوں نے فرمایا: بس وہی کافی ہے۔ اس وقت جو صوفی حضرات وہاں موجود تھے آپس میں بحث کرنے لگے کہ انھیں جو طاقیہ ملا ہے، وہ محض تبرک ہے، بغیر بیعت کے ارادت درست نہیں ہوتی (حضرت شیخ احمد مرید نہیں ہیں)، حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے بھی ایسا ہی خیال ظاہر کیا۔ پھر دہلی کے اکابر اور دوسرے مکاتبِ صوفیہ سے اس سلسلے میں رجوع کیا گیا۔ چنانچہ اس استفسار اور حضراتِ صوفیہ کی تصانیف ورسائل کے مطالعے اور چھان بین کے بعد یہی بات قرار پائی کہ "بغیر بیعت کے ارادت درست نہیں ہے" پس وہ کلاہ جو شیخ احمد کو دی گئی تھی، وہ محض تبرک ہے۔"

جامعِ فوائد الفواد خواجہ امیر حسن سجزی، سلطان المشائخ سیدنا نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ۲۹ ویں مجلس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پھر ان لوگوں کا ذکر ہونے لگا، جو بیعت کا طریقہ نہیں جانتے بعض ایک پیر سے مرید ہونے کے بعد کسی اور پیر کے مرید ہوجاتے

ہیں اور بعض مشائخ کے مزار سے مرید ہوتے ہیں، اس دوران بندے نے عرض کی کہ بعض لوگ مشائخ کی قبر کے پائینتی سر منڈواتے ہیں اور مرید ہوجاتے ہیں، کیا یہ بیعت درست ہوتی ہے؟فرمایا: نہیں!اس وقت حضرت نے حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک صاحب زادے تھے، سب لڑکوں میں بڑے، وہ گئے اور شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرالعزیز کی قبر کے پائینتی جاکر سر منڈوایا۔ یہ خبر شیخ فرید الدین نور اللہ مرقدہ تک پہنچائی گئی، ارشاد ہوا کہ شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ ہمارے خواجہ اور مخدوم ہیں، لیکن یہ بیعت درست نہیں ہے۔ ارادت وبیعت وہ ہوتی ہے کہ کسی شیخ کا ہاتھ تھاما جائے۔"

(فوائد الفواد:۴۰۱، سیر الاولیا: ۴۹۵)

**مذکورہ دونوں حوالوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو بھی بیعت دست در دست نہ ہو، نہ وہ بیعت حقیقی ہے اور نہ ہی سنت نبوی کے مطابق، لہٰذا ایسی بیعت کو بیعتِ تبرک کہا جائے گا، جس میں مرید اس سلسلۃ الذہب کے سارے اولیائے کاملین سے اکتساب فیض کا خواہاں ہوتا ہے اور ان نفوسِ قدسیہ کی نظرِ کرم کا متمنّی ہوتا ہے۔**

**اعتراض:** بعض لوگوں کے دل ودماغ میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ عصرِ حاضر میں شیوخ چادر ورومال پھیلا کر اس لیے مرید کرتے ہیں کہ بسا اوقات لوگوں کی کثرت ہوتی ہے، تنہا تنہا بیعت لی جائے گی تو بہت وقت لگے گا، اسی لیے ایک ساتھ چادر پھیلا کر ہی مرید بنالیتے ہیں، تاکہ پریشانی سے نجات مل جائے اور زیادہ وقت بھی صرف نہ ہو۔

**جواب:** ایسے باشعور افراد اور اربابِ علم ودانش سے جواباً عرض ہے کہ جب صلح حدیبیہ ہوئی تھی، اس وقت صحابہ چودہ یا پندرہ سو کی تعداد میں تھے، لیکن حضور ﷺ نے فرداً فرداً ہر ایک کا ہاتھ اپنے میں لے کر بیعت لی، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، طریقۂ بیعت سے انحراف نہیں کرنا چاہیے۔ رایاتِ علائی اور اعلامِ فقرائی والے مذکورہ واقعہ سے حضرتِ مخدوم کا بھی یہی عمل سمجھ میں آتا ہے۔

البتہ عورتوں کی بیعت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دست در دست نہ ہو، کیوں کہ نبی ﷺ نے کبھی عورتوں سے اس طرح بیعت لی ہے اور نہ ہی مصافحہ کیا ہے۔ حضرت قدوۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث سے تمسک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب حضور ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو بیعت کرنے والی عورتیں پانی سے بھرا ہوا پیالہ لے کر حاضر ہوتیں اور وہ اپنا ہاتھ اس پیالے میں ڈالتیں، پھر رسول اللہ ﷺ اپنا دست مبارک اس پانی میں ڈالتے، جب کہ عورتیں پردہ کے پیچھے بیٹھی ہوئی ہوتی تھیں۔ (لطائفِ اشرفی: ۱۲ لطیفہ)

اس کے علاوہ بھی عورتوں سے بیعت لینے کے متعدّد طریقے حدیث سے ماخوذ ہیں، مثلاً رومال کے ذریعہ بیعت لینا یا محض زبان سے قولاً بیعت لینا وغیرہ وغیرہ۔ حدیث پاک میں ہے:

"بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَايَعَ النساء قالت مددت يَدي لبايعه فَقَبَضَ يَدَهُ وَقَالَ لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ وَلَكِنْ إِنَّمَا آخُذُ عَلَيْهِنَّ بِالْقَوْلِ"

اسما بنت یزید کا بیان ہے کہ عورتوں کی بیعت کے دن میں نے اپنا ہاتھ بیعت کے لیے بڑھایا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک بند فرمالیا اور فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، بلکہ عورتوں سے محض زبانی بیعت لیتا ہوں۔ (معجم کبیر: ۲۴/۱۸۲)

مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعی اور عامر شعبی سے مرسلاً روایت ہے: "رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ پاک میں کپڑا لے کے کر عورتوں سے بیعت لی۔" (الطبقات: ۸/۵، حدیث لوین المصیصی: ۱/۲۳)

**ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ وصاحبانِ تصوف کے یہاں عورتوں سے بیعت لینے کے متعدّد طریقے رائج ہیں، تاہم کوئی بھی ایسا طریقہ مروج نہیں ہے، جس میں عورتوں سے دست در دست کے نہج پر بیعت لی جائے۔ اسی لیے مردانِ پاکباز اور عاشقانِ وفاکیش مشائخ عورتوں سے بیعت تو لیتے ہیں، لیکن ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیتے، بلکہ مذکورہ طریقوں کے مطابق حلقۂ ارادت میں داخل فرماتے ہیں۔**

اس گفتگو سے ہر شخص کے ذہن وفکر میں بیعت کا صحیح مفہوم آ گیا ہوگا۔ بیعت وارادت کی اس تفصیل کے بعد یہ جاننا بھی از حد ضروری ہے کہ مرید اپنا شیخ طریقت کسے بنائے؟ کیا ہر مسند نشیں منصبِ شیخوخیت وارشاد پر متمکن ہوسکتا ہے؟ کیا ہر پیر کو بیعتِ طریقت لینے کا حق حاصل ہے؟ نہیں۔ اربابِ طریقت ومعرفت اور صاحبانِ صلاح وتقویٰ نے شیخ بننے کے لیے متعدّد شرائط ذکر فرمائے ہیں۔ اگر کوئی شیخ

ان شرطوں پر مکمل نہیں اترتا تو سمجھ لیجیے کہ وہ منصب شیخوخیت پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔ میں ان شرطوں سے قطع نظر یہاں صرف مخدوم سلطان سید اشرف جہاں گیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر کردہ شرائط کو ذکر کروں گا۔

**شرائطِ شیخوخیت:** قدوۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مشائخ نے دس شرطوں کو مستحسن قرار دیا ہے۔

**پہلی شرط:** سالک اس وقت تک مسند ارشاد پر نہ بیٹھے، جب تک شیخ کی جانب سے اسے اجازت نہ مل جائے، اس لیے کہ شیخ سے یہ منزلت شریفہ اور پاکیزہ منصب اسی وقت حاصل ہوتا ہے، جب کہ ازلی قابلیت اور لم یزلی سعادت اسے میسر ہو جائے۔ (لطیفہ ۶)

**دوسری شرط:** نسبت مع الحق یعنی نسبتِ حضوری دل میں پیدا ہو جائے، یہ نسبت دل کا وصفِ لازم بن جائے اور وہ نفسِ سالک ملکہ بن جائے جیسے بینائی قوتِ باصرہ اور سماعت قوتِ سامعہ کے لیے ایک لازمی وصف ہے، حتیٰ کہ اگر وہ اس نسبت کو بڑی محنت کے ساتھ نکالنا بھی چاہے تو نہ نکال پائے۔ اشتغالِ صوری علامتِ معنوی کے اور علامتِ معنوی اشتغالِ صوری کے مانع نہ بن سکے۔ (لطیفہ ۶)

**تیسری شرط:** غلط اور بے کار کاموں پر مرید کا مواخذہ کرے، خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، صغیر ہوں یا کبیر۔ اس سلسلے میں مواخذہ کو نظر انداز نہ کرے اور تساہل کو روا نہ رکھے۔ اگر اس نے مرید کے ہفوات کے سلسلے میں کسی قسم کا تساہل کیا تو گویا اس نے اپنے اس بلند مقام کا حق ادا نہیں کیا اور مرید کی ہلاکت کے درپے ہوا، اس لیے کہ مقامِ شیخوخیت تطہیرِ مرید کے لیے ہے یعنی تمام ظاہری اور باطنی ناپاکیوں اور صفاتِ مذمومہ سے پاک کرنا ہے۔ (لطیفہ ۶)

**چوتھی شرط:** مرید کی حرکات وانفاس پر محاسبہ لازم قرار دے۔ مرید کے خلوص وصدق کے مطابق اس کی تمام باتوں کا محاسبہ کرے۔ کسی طرح اور کسی موقع پر اس میں مسامحت نہ کرے۔ اس کے تمام معاملات میں عزیمت کے ساتھ عمل فرمائے۔ کسی بھی طرح اسے رخصت نہ دے؛ کیوں کہ رخصت عوام کے لیے ہے۔ (لطیفہ ۶)

**پانچویں شرط:** شیخ پر مرید کے سامنے تنزیہ وتقدیس کی سب سے زیادہ کامل صورت میں پیش ہونا لازم ہے۔ اپنے مرید پر اپنے رازوں کو ہرگز ظاہر نہ کرے۔ شیخ اپنے کھانے، پینے، سونے اور دوسرے اوصافِ بشری کے علاوہ دوسری باتوں پر مرید کو مطلع نہ کرے، ورنہ شیخ کی خدمت میں کمی پیدا ہوگی اور اس میں مرید کا بھی نقصان ہے۔ لہٰذا شیخ متحمل رہے اور اسرار الٰہی وافکار ربانی طالب کے حوصلے کے بقدر بیان کرے، ورنہ سُمِ قاتل کی طرح مضرت رساں ہے۔ (لطیفہ ۶)

**چھٹی شرط:** مرید کو دوسرے پیر کے پاس یا دوسرے پیر کے مریدوں کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہ دے، کیوں کہ ممکن ہے کہ اس مرید کی خواہش اس کے خلاف ہو۔ مشائخ جب آپس میں بیٹھیں تو مریدوں کی خواہش کے خلاف حکم دیں۔ (لطیفہ ۶)

**ساتویں شرط:** ابتدائے تربیت میں مرید کو پاک غذا کے بارے میں یقین دلائے؛ کیوں کہ اکثر وبیشتر مریدین کے لیے یہی وقت وغذا آفت بن جاتی ہے۔ اکثر لوگ پیٹ کے بندے ہیں۔ اپنی تمام ہمت اسی کھانے پینے پر مرکوز رکھتے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لیے انھیں ایسی جگہ رکھے کہ اس کے اطراف میں کوئی نہ ہو۔ شیخ اپنی ہمت سے ان کی مدد کرے اور انھیں احساس دلائے کہ تمہارا رزق تمہاری کوشش کے بغیر تمھیں ملے گا۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رکھے، حتیٰ کہ اس سلسلے میں ان کا یقین پختہ ہو جائے اور توکل کی دولت بھی انھیں نصیب ہو جائے۔ (لطیفہ ۶)

**آٹھویں شرط:** اگر کوئی شیخ اپنے کسی معاصر شیخ کو نسبت میں اپنے سے قوی پائے تو اس کی صحبت اختیار کرے اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دے؛ کیوں کہ اس کی اور دوسروں کی بہتری اسی میں ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس شیخ کی شیخوخیت حبِ جاہ پر مبنی ہے۔ وہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتا ہے۔ صرف دنیوی دولت کمانے کے لیے ولی بن بیٹھا ہے۔ ہمت ونسبتِ طریقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حبِ ریاست اور خواہش برتری کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے۔ (لطیفہ ۶)

**نویں شرط:** مقاماتِ خواجہ میں مذکور ہے کہ شیخ راہِ سلوک کا پورا پورا علم رکھتا ہو۔ جس مرید کو اس راہ میں کوئی دقت پیش آئے، وہ اس سے عہدہ برآ ہو سکے اور مرید کی ان مشکلوں کو دور کر سکے جلالی اور جمالی تجلیات میں تمیز کرا سکے۔ ان کی نیتوں اور اسرار سے واقف ہو۔ (لطیفہ ۶)

**دسویں شرط:**

مقاماتِ خواجہ میں (حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی)

نے فرمایا: شیخ یک شبانہ روز میں مرید سے صرف ایک مرتبہ اختلاط رکھے۔اس سے زیادہ اختلاط اور مجالست نہ کرے؛کیوں کہ "کثرة المشاهدة فقد الحرمة" "کثرتِ ملاقات تعظیم میں کمی کا سبب ہے۔" اپنا حجرہ یا مقام مریدوں سے الگ رکھے۔مریدوں کے اجتماع کے لیے جگہ جداگانہ رکھے۔(لطیفہ ۶)

جس طرح ایک صاحبِ ارشاد وطریقت کے لیے مشائخ کبار نے شرائط بیان کی ہیں،اسی طرح ایک مسترشد وصاحبِ ارادت کے لیے بھی شرائط وقیود بیان فرمائی ہیں ۔ ان شرائط کی پاسداری ومحافظت ہر ارادت مند کے لیے ضروری ہے۔

## شرائطِ ارادت:

**پہلی شرط:** مرید اپنے شیخ سے کوئی بات نہ چھپائے۔ جو خیر وشر اس کے دل پر وارد ہو، اسے بتام وکمال شیخ کے حضور پیش کردے، تاکہ شیخ اس کے احوالِ باطن سے کلی طور پر آگاہ ہوکر اس کی استعداد کی حقیقت سے وقوف حاصل کرے۔اس کے مناسب حال روش اختیار کرے اور اس کے مزاج کے مطابق باطنی امراض کا علاج کرسکے۔(لطیفہ ۶)

**دوسری شرط:** حضرت خواجہ فرماتے ہیں:

اپنے پیر سے جو کچھ مشاہدہ کرے اس پر اعتراض نہ کرے، خواہ بحسبِ ظاہر اس میں وہ کوئی بھلائی نہ دیکھتا ہو۔جب وہ مضطرب ہو اور تاویل کی ساری صورتیں اس کے فہم سے بالاتر ہو تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ یاد کرے اور اس بات پر یقین کرے کہ اکابر پر اعتراض کرنے سے زیادہ طریقت میں کوئی چیز مضر نہیں ہے۔(لطیفہ ۶)

**تیسری شرط:** مرید کے اندر طلبِ شیخ کا جذبہ صادق ہو ،خواہ کچھ بھی ہوجائے اپنی طلب سے باز نہ آئے،چاہے دنیا کی ساری تلواریں اس کی گردن پر کھنچی ہوں۔(لطیفہ ۶)

**چوتھی شرط:** مرید ہر معاملہ اور ہر بات میں شیخ کی اقتدا نہ کرے،جب تک کہ شیخ اسے کرنے کا حکم نہ دے۔ممکن ہے بعض باتیں شیخ نے اپنے مقام کے اعتبار سے اپنے لیے گوارا اور پسند کی ہوں اور وہ مرید کے خاص مقام ومشرب کے لحاظ سے زہر قاتل ہوں۔(لطیفہ ۶)

**پانچویں شرط:** شیخ کے کلام وحکم کے ظاہری معنٰی پر ٹھہرا رہے اور ہرگز اس کی تاویل نہ کرے،تاکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کے صدقِ عقیدت کے بموجب اس کے درجات میں ترقی کا اشارہ فرمائے اور فہمِ دقائق میں اس کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے۔(لطیفہ ۶)

**چھٹی شرط:** مرید شیخ کے اشارات واحکامِ ظاہری کو بجا لائے اور تعمیل میں جلدی کرے۔خواہ ان اشارات کے معنٰی سے آگاہ ہو یا نہ ہو؛کیوں کہ شیخ کے فرمان کی تعمیل غایتِ مقصود اور مقامِ حصول کی نہایت ہے۔(لطیفہ ۶)

**ساتویں شرط:** خود کو سب سے کم تر جانے ، کسی پر اپنا حق نہ جانے،نہ کسی کا اپنے اوپر حق خیال کرے،جس کا ادا کرنا اس پر واجب ہو۔وہ یہ عقیدہ رکھے کہ دوجہاں میں حق سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے پیر کے سوا دوسرا کوئی موجود نہیں ہے، تاکہ اس مقام پر پہنچے جہاں مظاہر کی دیوار اس کی بصیرت سے بالکل ہٹا دی جائے۔حضرت خلیل علیہ السلام کی طرح یہی کہے:

إني وجهت وجهي للذي فطر السمٰوات والأرض حنيفا وما أنا من المشركين۔(الانعام)

"میں نے یکسو ہوکر اپنا رخ اس ذات کی جانب پھیر لیا،جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔" (لطیفہ ۶)

**آٹھویں شرط:** کسی امر میں خیانت نہ کرے۔ پیر کی تعظیم میں بے انتہا کوشش کرے۔ اپنی عمارتِ دل میں سعیِ بلیغ کے ساتھ پیر کے فرمائے ہوئے ذکر کی تکمیل کرے۔ جب کبھی ذکر کے علاوہ شہوت کا خطرہ دل پر گزرے، اسی وقت ذکر کی جانب رجوع کرے اور مشغول ہوجائے۔یہ جان لے کہ ایک وقت میں دو مخالف امروں میں مشغول نہیں ہوسکتا، تاکہ غفلت طاری نہ ہو۔(لطیفہ ۶)

**نویں شرط:** مرید کو دوجہاں سے کوئی خواہش اور حاجت نہ رہے۔جب تک اس میں خواہش اور حاجت باقی ہے،وہ خواہشات کا طالب ہے، مرید نہیں ہے۔بزرگوں کے بقول مرید شیخ کے قابو میں اس طرح ہو جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔(لطیفہ ۶)

**دسویں شرط:** ہر اس شخص کے حکم کا فرماں بردار ہو، جسے شیخ نے اس پر افسر رکھا ہو، خواہ خود علم میں اس ہستی سے بلند وبرتر کیوں نہ ہو۔یہ اعتقاد رکھے کہ شیخ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے،وہی بہتر واشرف ہے اور اس کا شیخ سب سے زیادہ کامل ہے۔ ورنہ اکثر صورتوں میں بحسبِ اوقات اس کا دل کسی اور اشرف واکمل کی طرف متوجہ ہوگا اور

یہ رغبت ومیلان نسبتِ ذوقیہ میں مانع ہوگا۔ (لطیفہ ۶)

ان شرائط کو بار بار پڑھیے، بغور دیکھیے، گہرائی کے ساتھ مطالعہ فرمائیے اور حالات کا تجزیہ کیجیے۔ ہمارے مشایخ ومریدین کے حالات کیا ہیں؟ نفرت وعداوت کی ایک غیر متناہی خلیج ہمارے درمیان پیدا ہوگئی۔ "المشایخ کلھم کنفس واحدۃ" کا تصور ہمارے ہیچ عنقا سا ہو گیا ہے۔ اپنے شیخ کی شان وشوکت بڑھانے کے لیے واقعات وکرامات وضع کیے جارہے ہیں۔ ہماری خانقاہوں میں مطلب پرستی گھر کر گئی ہے۔ ہمارے یہاں ہر شیخ اپنے ہی مشرب وسلسلے کی ترویج واشاعت میں سرگرمِ عمل نظر آتا ہے۔ نیابتِ مصطفیٰ کے نام پر لوگوں کو لوٹا جارہا ہے۔ تصوف کے نام پر نماز واعمال صالحات سے بے رغبتی اپنے شباب پر ہے۔ ہمارے شہزادگانِ مشایخ کبر ونخوت کے زعمِ باطل میں گرفتار ہیں۔ تعدادِ مریدین میں اضافے کی مانو ایک مہم چل پڑی ہے۔ خانقاہیں قلبی مریضوں کے لیے شفاخانہ اور طالبانِ حق کے لیے تریاق کہلاتی ہیں، لیکن وہاں حاسدین قلابینِ بے جا کا جمِ غفیر ہے۔ عرفان ومعرفت کی عقدہ کشائی کرنے والی خانقاہیں، تصوف بےزار افراد کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ امت وملت کے قائدین علم وبصیرت سے عاری وبے بہرہ ہو چکے ہیں۔

ان حالات میں ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے مشایخ کی سنتوں کو زندہ کریں۔ حسد وجلن اور بغض وکینہ کی آہنی دیوار مسمار کریں۔ محبت واخوت اور بھائی چارہ عام وتام کریں۔ اپنے شیخ سے حد درجہ عقیدت اور دوسرے مشایخ سے الفت ووارفتگی پیدا کریں۔ طریقت کو شریعت اور شریعت کو طریقت سے جدا نہ سمجھیں۔ اپنے مشرب وسلسلے کی نہیں دینِ مصطفوی کی ترویج واشاعت کو مقصودِ حیات سمجھیں۔ لوگوں پر تبصرہ بازی، ہجو گوئی اور غیر مناسب تنقید سے بچیں۔ رضائے مولیٰ کے لیے اپنی حیاتِ مستعار وقف کردیں۔ مستحبات میں بے جا تشدد سے بچیں اور مستحبات کو واجبات کا درجہ نہ دیں۔ سنتِ نبوی کی حفاظت وصیانت اپنی زندگی کا نصب العین سمجھیں۔ لوگوں کے ساتھ نرم روی اور خندہ پیشانی کا برتاؤ کریں۔ اپنے گھر کا دروازہ بلاتفریق مذہب وملت ہر فرد وبشر کے لیے کھلا رکھیں، تاکہ اسلام کی صحیح تصویر پیش کرسکیں۔ دنیا کو عارضی ٹھکانا سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنے قلوبِ کشتہ کو نئی زندگی بخشیں اور اسی پر مکمل اعتماد وتوکل کریں۔

اللہ رب العزت ہمیں ان چیزوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بزرگانِ دین کی بارگاہ کا مقبول بنائے۔ آمین یارب!!! ◘◘

**(ص: ۲۶؍ کا بقیہ)**... وہ قابلِ تحسین بھی ہے اور لائق تقلید بھی، بڑی بڑی کانفرنسوں سے لے کر چھوٹے چھوٹے جلسوں تک دونوں (اشرفی ورضوی) شہزادے شانہ بشانہ رہے، ایک دوسرے کو اپنے یہاں خصوصی دعوت دے کر بلاتے، عرس مخدومی میں حضور مفتیٔ اعظم ہند کچھوچھہ شریف حاضری دیتے تو عرس رضوی میں سرکار کلاں بریلی شریف حاضر ہوتے، اشرفیت ورضویت کا حسین سنگم لائق دید ہوتا زائرین ان روح پرور مناظر سے اپنے مشامِ جاں معطر کرتے اور فیوض وبرکات کو اپنے دامن میں سمیٹتے، وابستگان سلسلہ رضویہ حضور سیدی سرکار کلاں کا ایسا ادب احترام کرتے جیسے اپنے مرشد برحق حضور مفتیٔ اعظم ہند کا اور وابستگان سلسلہ اشرفیہ بھی مفتیٔ اعظم ہند کا ایسا ہی ادب واحترام کرتے جیسے اپنے پیرو مرشد حضور سرکار کلاں کا کشادہ قلبی اور وسعت ظرفی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کیا اسی یگانگت کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟ اتحاد واتفاق، تواضع وسادگی، عجز وانکساری اور توکل وبے نیازی کی جو انمول مثالیں ہمارے ان بزرگوں نے پیش کی ہیں وہ نئی نسل کے لیے نہ صرف مشعل راہ ہیں بلکہ ہدایت ورہنمائی کے قیمتی اصول وذخیرے ہیں اور خانقاہوں کے تعلقات وروابط کے حوالے سے مشایخ کرام اور سجادہ نشینان کے لیے بھی قیمتی سرمایہ ہیں اور خانوادۂ اشرفیہ ورضویہ کی تاریخ کا بہت اہم باب ہیں، پھر آنکھوں نے وہ منظر بھی دیکھا کہ اس کے لیے جتنا بھی افسوس اور ماتم کیا جائے بہت کم ہے۔

مختلف سلاسل سنیت کی پہچان اور محبتیں قائم کرنے کے لیے ہیں نہ کہ اختلاف وانتشار پیدا کرنے کے لیے، تمام سلاسل کے صوفیائے کرام کی تعلیمات کا یہی ماحصل ہے، آج حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ ہمارے اسلاف باہمی اتحاد اور الفت ومحبت کے جو رشتے قائم کیے تھے ہم انہیں پھر سے دوبارہ زندہ اور مضبوط کریں، اتحاد بین المسلمین کا خواہاں بنیں، تمام سنی خانقاہوں اور اداروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے تحریر وتقریر اور زبان وبیان سے ایک دوسرے کا تعاون کریں، ہم سب مل کر اپنی قوم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا عزم کریں، مسلم دشمنوں، باطل قوتوں، بدمذہبوں اور مسلم مخالف سرگرمیوں کا متحد ومتفق ہو کر اس طرح مقابلہ کریں جیسے ہمارے اسلاف نے کیا تھا ورنہ ہمارا انجام کتنا دردناک اور عبرت انگیز ہوگا اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔

ایک ہو جاؤ تو بن سکتے ہو خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا کام بنے

☆☆☆☆

# مخدوم سید اشرف سمنانی-حیات و خدمات

مولانا محمد ابوہریرہ رضوی مصباحی

دنیائے تصوف کے شہ سوار، آسمانِ ولایت کے مہرِ درخشاں، غوث العالم، تارک السلطنت حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ اس تاریخ ساز شخصیت کا نام ہے جس نے اپنے دورِ پر آشوب میں سفاہت وجہالت کو مٹاکر علوم وفنون کو فروغ دیا۔ ضلالت وگمراہی کو مٹاکر اسلام میں چار چاند لگادیے، زہد وورع، صبر ورضا، حلم وبردباری اور شریعت وطریقت کے چھلکتے جام پلاکر اپنے شاگردوں کو غزالیِ دوراں اور نادر روزگار بنادیا اور احقاقِ حق وابطالِ باطل میں فریدِ زماں اور فلکِ کرامت میں نیرِ تاباں ثابت ہوا۔

## پیشین گوئی اور ولادت:

آپ شاہِ سمناں، سلطان سید محمد ابراہیم علیہ الرحمہ کے نورِ نظر تھے، شوکت سلطانی کے باعث سلطان ابراہیم اور ان کی اہلیہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی، مگر کوئی لڑکا نہ ہونے کے باعث دونوں میاں بیوی بہت ملول رہا کرتے تھے اور بزرگانِ دین سے استمداد کے خواہاں رہا کرتے تھے اور اس بات کے متمنی رہتے کہ خداے تعالیٰ انھیں کوئی لڑکا عطا فرمائے جو آگے چل کر باپ کی جگہ سلطانی کے درجے پر فائز ہو۔

آپ کی والدہ اس سلسلے میں بہت زیادہ ہی متفکر رہا کرتی تھیں، ایک دن نماز کے بعد اسی غم میں رونے لگیں، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، پھر وہیں پر نیند آگئی، خواب میں ایک بزرگ شیخ احمد یسوی علیہ الرحمہ تشریف لائے اور بشارت دی: ”تیرے بطن سے آفتابِ ولایت طلوع ہونے والا ہے۔“

اس واقعہ کے چند دنوں بعد حضرت ابراہیم مجذوب جو سلطان کے معاصر بزرگوں میں سے تھے انھوں نے بھی ایک فرزند ارجمند کی خوش خبری دی۔

ایک دن سلطان ابراہیم نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ ﷺ نے دو فرزندوں کی خوش خبری سنائی ساتھ ہی دونوں کا نام تجویز کرتے ہوئے فرمایا: ایک نام ”اشرف“ اور دوسرے کا نام ”اعرف“ رکھنا۔ اشرف بڑا عارف وکامل ہوگا اور اس کے علم وفضل کا ایک زمانہ معترف ہوگا۔ بڑی مدتوں کے بعد آرزوؤں کی دنیا آباد ہوئی اور نہایت خوش اقبال وخوب صورت لڑکا ۷۰۸ھ میں تولد ہوا، پھر کیا تھا، خوشیوں کا ایک ماحول قائم ہوگیا، ہر دن عید اور ہر شب شبِ براءت معلوم ہونے لگی۔

(لطائف اشرفی، ج:اول، ص:۳۶، مطبوعہ مخدوم اشرف اکیڈمی، کچھوچھہ)

## تعلیم وتربیت:

چار سال چار ماہ اور چار دن کی عمر میں حضرت عماد الدین تبریزی کے ذریعہ نہایت تزک واحتشام کے ساتھ ”بسم اللہ خوانی“ کی رسم انجام دی گئی، ایک سال میں حفظِ قرآن مع قراءت سبعہ کی تکمیل کی اور مشہور زمانہ قاری حضرت علی کوفی سے سندِ قراءت حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کی جانب متوجہ ہوئے اور تفسیر، حدیث، فقہ، حکمت وتصوف اور فلسفہ ومنطق وغیرہ تمام مروجہ علوم وفنون پر عبور حاصل کر کے ممتاز علما کی صف میں شامل ہوگئے اور فقط چودہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوکر معاصرین علما کو محوِ حیرت کردیا۔

## سلطنت کی ذمہ داری:

ابھی تحصیلِ علم سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ دوسرے سال والدِ ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اب امورِ سلطنت کی ساری ذمے داری آپ کے کمسن کاندھے پر آگئی۔ بڑی خوش اسلوبی سے سلطنت کی ساری ذمہ داریاں ادا کیں۔

## ترکِ سلطنت اور ہندوستان آمد:

جب مدتِ سلطنت دس برس ہوچکی تو پچیس سال کی عمر میں رمضان المبارک کی ستائیسویں رات خواب میں حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: اشرف! تمھارا کام پورا ہوگیا، اگر وصالِ الٰہی اور مملکتِ لامتناہی کے طلب گار ہو تو بادشاہی چھوڑ دو اور ملک ہند کی جانب کوچ کرو۔ (لطائف اشرفی، ص:۳۹، ۴۰)

آئینہ ہوتا ہے اہلِ دل کا دل
کشف ہو تجھ پر کسی کامل سے مل

خواب سے بیدار ہوئے تو ترکِ سلطنت کا جذبہ بیدار ہو چکا تھا، تختِ شاہی اپنے بھائی "اعرف" کے حوالے کیا اور والدہ محترمہ سے اجازت چاہی۔ ماں خود اپنے وقت کی رابعہ بصریہ تھیں، انھوں نے فرمایا: تیری ولادت سے پہلے ہی اس بات کی بشارت مل چکی ہے کہ تو شہنشاہِ ولایت ہوگا، تیرے علم و فضل سے دنیا مستفیض ہوگی، جا تجھے میں خدا کو سونپتی ہوں، لیکن تم سے ایک گذارش ہے کہ تم سمنان سے اس طرح نکلو کہ معلوم ہو، تم کسی ملک کو اسلامی سلطنت میں داخل کرنے جارہے ہو۔ ماں کی دلی خواہش کے مطابق بارہ ہزار سپاہ و لشکر کے ساتھ نہایت جاہ و جلال کے ساتھ سمنان سے نکلے اور کچھ دور جا کر یکے بعد دیگرے ہر ایک کو رخصت کر دیا اور تنِ تنہا مزید سفر جاری رکھتے ہوئے حضرت سلطان مخدوم جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت کی بارگاہ "خطۂ اوچ" (ملتان) پہنچے۔

یہاں تین دن تک اکتسابِ فیض کے بعد دہلی میں حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمۃ کے سجادۂ رشد و ہدایت حضرت نصیر الدین چراغ روشن دہلوی کے یہاں چلہ کش ہوئے اور پیرانِ چشت کا خرقہ پایا۔ راستے میں جتنے بزرگ سے بھی ملاقات ہوئی سبھوں نے بتایا کہ تمھارے شیخ تمھاری آمد کے منتظر ہیں، اس لیے جلدی ان کی خدمت میں پہنچو، چناں چہ دار السلطنت سے نکل کر اپنے شہرِ آرزو کی جانب تیزی سے گامزن ہوئے، بہار شریف پہنچے تو یہاں حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ کا اسی دن وصال ہو چکا تھا، وصیت کے مطابق نمازِ پڑھائی اور منزلِ مقصود کی راہ لی۔

(ملخص حیات غوث العالم، از محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ)

## مخدومِ سمناں کا استقبال پنڈوہ شریف میں:

اِدھر مرشدِ کامل حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی دو برس سے آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ اس دوران حضرت خضر علیہ السلام نے ستر مرتبہ شیخ کو آپ کی آمد کی اطلاع دی۔ ایک دن قیلولہ فرماتے وقت خواب سے چونک کر بیدار ہوئے اور بے تابانہ خانقاہ سے باہر نکل آئے، حاضرین سے فرمانے لگے: مجھے خوشبوے یار مل رہی ہے۔ پھر حضرت شیخ اپنی پالکی کے ساتھ مع ہمراہیوں کے آپ کے استقبال کے لیے نکلے، راستے میں حضرت مخدوم علیہ الرحمہ نے جب شاندار استقبال کا پر کیف منظر دیکھا تو تو دور ہی سے سمجھ گئے کہ یہ میرے شیخ کی انجمن ہے، قریب آکر شیخ کے قدموں میں گر پڑے۔ شیخ نے سر اٹھایا، مصافحہ و معانقہ کے بعد اپنی پالکی میں بٹھایا، پھر خانقاہ میں لے آئے۔ چار سال کے بعد اپنے مخصوص و مروجہ طریقے پر مرید کیا اور راہِ سلوک طے کرانے کے بعد "جہانگیر" کے معزز خطاب سے نوازا، پھر جون پور کی ولایت عطا کر کے آپ کو وہاں سے روانہ کر دیا۔ (لطائف اشرفی، ص:۴۴)

## پنڈوہ سے جون پور کا سفر:

منزل بہ منزل کوچ کرتے ہوئے پنڈوہ شریف سے محمد آباد گوہنہ (اعظم گڑھ) پہنچے۔ یا بہ اختلافِ روایت پنڈوہ شریف سے (بہار) منیر شریف ہوتے ہوئے محمد آباد پہنچے۔ یہاں کے علما و فقہا سے ملاقاتیں ہوئیں اور بے شمار خلقِ خدا نے اکتسابِ فیض کیا۔ محمد آباد سے ظفر آباد پہنچے اور مسجد ظفر خان میں رونق افروز ہوئے۔ یہاں رئیس سرور پور شیخ کبیر عباسی نے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر مراتبِ علیا حاصل کیا اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی ملک العلما اور ابراہیم شاہ شرقی نے مع اپنے شاہزادوں کے بیعت کی، یہاں (جون پور) دو ماہ تک قیام پزیر رہے اور عوام و خواص آپ سے مستفیض ہوتے رہے۔

یہاں سے عراق، حجاز، بغداد، نجف اشرف، بصرہ، جیلان اور یمن کا سفر کرتے ہوئے دوبارہ پنڈوہ شریف تشریف لائے اور کچھ دن مرشد کی خدمت میں گزارا۔

## کچھوچھہ مقدسہ میں آمد اور تبلیغی خدمات:

پنڈوہ شریف سے جون پور ہوتے ہوئے کچھوچھہ مقدسہ کی سرزمین پر جلوہ افروز ہوئے۔ اپنے پیر و مرشد کی ہدایت کے مطابق آپ نے اس خاص مقام کو تلاش کر کے پڑاؤ ڈالا، جہاں کی انھوں نے نشان دہی کی تھی کہ اس کا محل وقوع یوں ہے کہ چاروں طرف سے پانی گھیرے ہوئے ہے اور درمیان میں خشکی ہوگی جو مزارِ مقدس کے لیے مخصوص ہے۔

حلقۂ تالاب کے وسط میں ایک بڑا جادوگر رہا کرتا تھا، اس نے جب سنا کہ یہ فقیر میرے محل وقوع پر ٹھہر کر چلہ کشی کرنا چاہتا ہے تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا اور اپنی قوتِ سحر اور استدراج سے چیونٹیوں کو حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ حضرت تارک السلطنت نے اپنے نئے مرید جمال الدین راؤت کو مقابلے کے لیے بھیجنا چاہا تو انھیں ذرا تامل ہوا۔ مخدوم پاک نے قریب بلا کر اپنے پان کا اگال نکالا اور ان کے منہ میں ڈال دیا۔ اس سے حضرت جمال الدین راؤت کے دل کی دنیا ہی

بدل گئی، اب وہ شیروں کی طرح آگے بڑھے اور چیونٹیوں پر ایک نگاہ ڈالی ہی تھی کہ سب کے سب غائب ہوگئیں۔ جوگی نے دوسری بار شیروں کے کرتب دکھلائے مگر حضرت جمال الدین کے تصرف نے انھیں بھی غائب کر دیا۔ اب جوگی اپنا آخری حربہ اپناتے ہوئے اپنا "سونٹا" ہوا میں اڑا دیتا ہے، یہ دیکھ کر حضرت جمال الدین مخدوم سمنانی کا عصا مبارک منگوا کر ہوا میں چھوڑ دیتے ہیں، عصائے مخدومی جوگی کے سونٹے کو مار کر زمین پر گرا دیتا ہے۔ روحانی تصرفات کے یہ حیرت انگیز مناظر دیکھ کر جوگی کے ہوش و حواس اڑ جاتے ہیں اور بارگاہِ مخدوم میں حاضر ہو کر معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دستِ مخدوم اقدس پر تائب ہو کر مسلمان ہو جاتا ہے۔

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حضرت نے تالاب کے کنارے اس کو جگہ عنایت فرمائی اور اپنے طریقے کے مطابق ریاضت و مجاہدہ میں مشغول کر دیا۔ بعد ازاں دھیرے دھیرے مخلوقِ خدا کے قافلے آنے لگے اور تین سال میں وہ تختۂ گل گلزار ہو گیا۔ اس علاقے کا نام حضرت نے "روح آباد" رکھا جب کہ خانقاہ کا نام "کثرت آباد" اور اپنے مخصوص حجرے کا نام "وحدت آباد" رکھا۔ ساتھ ہی پیشین گوئی فرمائی کہ آئندہ زمانہ میں اس جگہ بڑی رونق ہوگی، اکابر روزگار، رجال الغیب اور بہت سے اولیاء اللہ یہاں آئیں گے۔ یہ وہی مقام ہے جو آج فیض آباد (یوپی) کا ایک مشہور خطہ "کچھوچھہ" کے نام سے مشہور ہے۔ (ملخص لطائف اشرفی، ص:۶۱،۶۲)

## تبلیغی اسفار:

آپ کی ذات گرامی سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ فیض یاب ہوا، جہاں آپ نے غیر ملکی اسفار سے بھٹکے ہوئے آہوؤں کو سوئے حرم لانے کی کوشش کی وہیں ہندوستان کے بیشتر علاقوں کا دورہ کر کے گم گشتگانِ راہ کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے اور انھیں اپنے فیضان کرم سے مالا مال فرمایا۔ اشاعتِ اسلام ہی کی خاطر حضرت مخدوم سمنانی نے تخت و تاج کو خیر باد کہہ کر راہِ خدا میں نکل پڑے۔ آپ کے اس نیک جذبے نے اسلام کو بہت زیادہ فروغ دیا۔ ایک ایک مجلس میں آپ سے متاثر ہو کر کئی کئی ہزار باطل مذہب والے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ہیں۔

بنارس میں ایک مرتبہ تفریح کرتے ہوئے جا رہے تھے، راستہ میں ایک بت خانہ تھا، مندر کے مقتدر پجاری اور اس کے احباب ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، گفتگو مذاہبِ عالم کی حقانیت پر چل پڑی، اس نے اپنے مذہب کو حق ثابت کرنے کے لیے کئی دلیلیں قائم کیں، مخدومِ پاک نے ارشاد فرمایا: دلائل و براہین رہنے دو، جنھیں تم پوجتے ہو، اگر وہی تمھاری تکذیب کرنے لگیں تو اسلام قبول کر لوگے؟ پجاری نے کہا: ہاں! میں اور میرے ساتھی سبھی مسلمان ہو جائیں گے۔ ایک بت قریب ہی تھا، آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اے بت! اگر محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین برحق ہے تو کہہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ. فوراً بت سے آواز آئی: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ. (ملخص لطائف اشرفی، ص:۷۶،۷۷)

اسی طرح بہت سے لوگ آپ کے ہاتھوں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، علاقہ فلسطین میں آپ کے ہاتھوں پر مسلمان ہونے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تھی، روم اور قسطنطنیہ میں بھی لوگ آپ کے ہاتھوں پر مسلمان ہوئے، ہند اور بیرونِ ہند میں تائبوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے جو معصیت و بدکاری میں اپنی زندگی گزار رہے تھے اور اسلامی احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ذرا بھی نہ شرماتے تھے، وہ آپ کی توجہ اور نظرِ عنایت سے اسلام کے سچے متبع اور نیکوکار بن کر طبقۂ خواص میں شمار ہونے لگے۔

## مواعظ و نصائح:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ واعظ و مقرر ناامیدی کی باتیں حد سے زیادہ نہ کرے اور اتنا امیدوار بھی نہ بنا دے کہ خدا سے بے خوف ہو جائے۔ وعظ نرمی سے کرنا چاہیے، سخت زبانی مناسب نہیں، خلق کو عبادتِ حق کی دعوت دینا نبوت کی نیابت ہے۔

(لطائف اشرفی، ص:۲۲۸،۲۲۹)

حضرت علی کے اس قول پر عمل پیرا ہو کر اپنے وعظ و نصیحت کو اثر انگیز بنایا جا سکتا ہے، ساتھ ہی ان کی اثر آفرینیاں درج ذیل سطور میں حضرت مخدوم سمناں کے طرزِ بیان سے بھی اخذ کی جا سکتی ہیں۔ چناں چہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ نے بغداد کی جامع مسجد میں خلیفہ اور بزرگوں کے اصرار سے وعظ کہنا شروع کیا، تقریباً پانچ ہزار کا مجمع تھا، ایک قاری نے سورۂ یوسف کی تلاوت کی، حضرت پر کیفیت طاری ہوئی اور ایسے ایسے معارف بیان کرنا شروع کیے کہ تمام مجمع پر وجد اور رقت طاری ہو گئی، جب اس آیت پر پہنچے "لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ" تو ایسے عاشقانہ اور دردمندانہ نکتے بیان فرمائے کہ بہت سے اہلِ مجلس

بے ہوش ہوگئے اور بعض جنگل کی طرف بھاگے۔

ایک فاضل شیخ قطب نامی اس مجلس میں موجود تھے، وہ کہتے تھے کہ میری عمر سو برس کے قریب ہے، بڑے بڑے مشہور واعظوں کو سنا ہے، مگر ایسی لطافت وظرافت کی مجلس نہ دیکھی۔ (لطائف اشرفی، ج:۲، ص:۲۲۹، ۲۳۰)

## تبلیغ بذریعۂ تصنیف:

جہاں آپ نے اپنی محفلِ وعظ و نصیحت اور تبلیغی اسفار کے ذریعہ گم گشتگانِ راہ کو صراطِ مستقیم کی جانب لا کھڑا کیا وہیں قلمی معرکے بھی سر کیے۔ درج ذیل سطور میں ہم نے ان کی چند تصنیفات پیش کی ہیں، ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کس قدر علمی و روحانی شخصیت تھے۔ واضح رہے کہ حضرت کا فضل و کمال یہ تھا کہ جس علاقے میں تشریف لے جاتے اسی علاقے کی زبان میں کتابیں لکھ کر عطا فرما دیتے تھے، اس طرح آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے مگر اب ان کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں۔

(۱)-دیوانِ اشرف-غزلوں کا مجموعہ جو فصاحت وبلاغت سے لبریز ہیں۔

(۲)-فتاوائے اشرفیہ-(مختلف استفتوں کے جواب کا ایک قابلِ قدر ذخیرہ۔

(۳)-مناقب السادات-یہ رسالہ سیدوں کے فضائل پر مشتمل ہے۔

(۴)-مناقبِ اصحاب کاملین و مراتبِ خلفائے راشدین-اس میں خلفائے راشدین وصحابۂ کرام کے مراتب و درجات کا تذکرہ ہے۔

(۵)-مکتوبات اشرفی- حضرت غوث العالم کے مکتوبات کا ایک گراں قدر مجموعہ۔

(۶)-تحقیقاتِ عشق-متصوفانہ انداز میں عشق کی توجیہ وتشریح۔

(۷)- رسالہ وحدۃ الوجود-تصوف کی مصطلحات کا اہتمام و التزام کے سلسلے میں۔

(۸)-بشارۃ الاخوان۔(۹)-ارشاد الاخوان۔

(۱۰)-فوائد الاشرف۔(۱۱)-اشرف الفوائد

ان تمام تصنیفات میں تصوف و معرفت کے اسرار و رموز بیان کیے گئے ہیں۔

(۱۲)- اشرف الانساب-سلاطین و مشائخ عظام کے سلسلہ ہائے نسب۔

(۱۳)-رسالۂ غوثیہ- منصبِ غوثیہ کے تعلق سے تمام باتیں مندرج ہیں۔

(۱۴) رسالہ تصوف و اخلاق (اردو)- اس کا مضمون عنوان ہی سے ظاہر ہے۔

(۱۵)-بشارۃ المریدین (رسالہ قبریہ)-اس کتاب کو قبر میں بیٹھ کر لکھا اور مریدین کو بشارت دی کہ میرے تمام مریدین حق پر ہیں۔

(۱۶) رسالہ حجۃ الذاکرین-یہ لطائف اشرفی کے ساتھ منسلک ہے۔

## تفویض سجادگی:

ایک مرتبہ آپ کو یہ غم لاحق ہوا کہ نہ میری کوئی اولاد ہے اور نہ ہی شادی کی ہے کہ امید ہو، آخر میرا جانشین کون ہوگا؟ حضرت شیخ نے کشف سے دلی کیفیت معلوم کر لی: فرمایا: اشرف غم نہ کرو، تمھارے لیے ایک فرزند دینی خداوند قدوس سے میں نے طلب کر لیا ہے، اس کا غلغلہ بہت دور دور تک پہنچے گا، اس کی برکتوں سے دنیا مالا مال ہوتی رہے گی اور یوں ہی یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضرت مخدوم پاک نے جب اپنے شیخ کی زبان فیض ترجمان سے یہ حوصلہ افزا جملے سنے تو سن کر ساری کلفتیں کافور ہوگئیں۔ چناں چہ جب دوبارہ بلادِ شرقیہ کی سیاحت کے لیے نکلے تو اپنی خالہ زاد بہن کی ملاقات کے لیے گیلان پہنچے، اسی سفر میں اپنے خالاتی بھانجے سید عبدالرزاق کو اپنی فرزندی میں قبول کر لیا، بعد میں وہ حضرت مخدوم صاحب کے ساتھ مستقل قیام پزیر رہنے لگے۔ تاریخ کے مطابق حضرت سید عبدالرزاق نور العین اڑسٹھ سال تک مخدوم صاحب کے ساتھ رہے، بیس سال تک آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پوشیدہ طور پر نوش فرمایا۔ حضرت مخدوم پاک کا ارشاد ہے: اس فقیر نے اکابر وقت سے جو کچھ بھی حاصل کیا سب فرزند ارشد نور العین کے سینے میں منتقل کر دیا۔ چناں چہ حضرت مخدوم پاک کے وصال کے بعد آپ ہی ان کے سجادہ نشیں ہوئے اور آپ ہی سے نسلِ مخدوم پاک کا ارتقا ہوا۔

## وصال:

۱۲۰ر سال کی عمر پا کر ۸۰۸ھ میں ماہِ محرم میں انتقال فرمایا۔

اے اشرفِ زمانہ زمانے مدد نما
در ہائے بستہ راز کلید کرم کشا

(نوٹ: یہ تمام باتیں لطائف اشرفی، حیاتِ غوث العالم اور تذکرۂ مخدوم سے ماخوذ ہیں، البتہ لطائفِ اشرفی سے کچھ زیادہ مدد لی گئی ہے۔)

# زبان کے نام پر وزیرِ داخلہ کی ایک نئی سیاست

**مولانا وزیر احمد مصباحی**

ہندوستان کی متنوع خصوصیات میں سے ایک زبان و لسان کی بھی خصوصیت ہے۔ ایک عام سادہ ہندوستانی باشندہ بھی، جو اپنی آبادی سے دور نکل کر حیات روزمرہ میں کہیں سفر پر نکلتا ہے اسے چند ہی میل کے فاصلے پر گوناگوں متعدّد زبانوں میں گفتگو کرنے والے افراد ملتے ہیں۔ یقیناً یہ ہندوستانی جمہوریت کی زندہ مثال ہے کہ یہاں متعدّد زبان بولنے والوں کو دستور اساسی کی طرف سے یہ حق ملا ہے کہ وہ اگر اپنی زبان و بھاشا کے فروغ و ارتقا کے لیے ادارے قائم کرنا چاہیں اور اسے استطاعت بھر رواج دینا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اس پر حکومت کی طرف سے کوئی قانونی کارروائی ہرگز نہیں کی جائے گی کہ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا؟ یہی وجہ ہے کہ آزادی ہند سے پہلے اور بعد میں بھی جب کبھی کسی زبان کے اہلیان نے اکثریت کی آڑ میں حکومت سے اسے قومی زبان تسلیم کیے جانے کی مہم شروع کی ہے تو ان کی یہ غیر دانش مندانہ وقتی مانگ کو ملک بھر میں دو درجن سے زائد زبان بولنے اور سننے والوں نے مستقبل میں پیدا ہونے والے تعصبی عناصر کو بھانپ لیا ہے اور بروقت دبا دینے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے اور آج تک کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس کی جیتی جاگتی مثال ملک بھر میں وہ وقت وقت پر ہندی زبان کو "قومی زبان" کا درجہ دیے جانے کی مانگ کو مسترد کرنے والے احتجاجات و مظاہرے ہیں۔

مگر افسوس کہ ابھی کل ۱۴، ستمبر کو پلنری حال، وگیان بھون میں منعقدہ "ہندی دیوس سماروہ ۲۰۱۹ء" میں ملک کے وزیر داخلہ امت شاہ نے یہ بیان دیا کہ: "بھارت کی انیک بھاشائیں اور بولیاں ہماری سب سے بڑی طاقت ہیں۔ لیکن دیش کی ایک بھاشا ایسی ہو، جس سے ویدیشی بھاشائیں ہمارے دیشیوں پر حاوی نہ ہوں اس لیے ہمارے سویدھان نِرماتاؤں نے ایک مت سے ہندی کو راج بھاشا کے روپ میں تسلیم کیا"۔

اس بیان اور ٹیوٹر پر بھرمار کمینٹس کے تناظر میں تو ایسا لگتا ہے کہ اب ہمارے وزیر داخلہ جی مرکز میں اپنی اکثریت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے "ہندی "زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے ہی دیں گے۔ امت شاہ نے اس پروگرام کے موقع پر زبان تیئں جو انوکھے اور نادر و نایاب خدشات و خطرات کا اظہار خیال کیا ہے، وہ غیر ممکن ہی ہے کہ ہماری ہندی تہذیب و تمدن اور یہاں کی محبت بھری ریت اسے کسی صورت قبول کرے۔ اس کی قوی وجہ شاید یہی ہے کہ جس آبادی میں بھی اور جیسی بھی زبان بولی جاتی ہے، وہاں کے مقامی باشندے اس کی استطاعت بھر ہر لمحہ حفاظت و صیانت کرتے ہیں تا کہ اس پر دوسری زبان کا رنگ قطعی غالب نہ آسکے۔ ہاں! یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ امت شاہ کے اس غیر اندیشانہ اقدام و بیان کی وجہ سے ملک بھر میں ہنگامی صورت حال برپا ہو جائے اور پھر زبان و لسان کے نام پر ہندی باشندوں کے مابین نفرت و عداوت اور بغض و حسد کا وہ طویل مایہ جال بچھ جائے کہ جس کا ثمرہ وطن عزیز کے حق میں ذرہ برابر بھی خوش کن نہیں ہوگا۔

ایک تو ویسے ہی شر پسندوں نے ملک کی سب سے پیاری سی شیریں زبان "اردو" کو ایک مخصوص فرقہ یعنی مسلمانوں کے ساتھ جوڑ کر اپنی دکانیں چمکاتے چلے آرہے ہیں۔ وہ آئے دن اس کے اور اس کے بولنے والوں کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ و جارحانہ سلوک اپناتے چلے آرہے ہیں اور تمام سرکاری دفاتر حتی کہ سرکاری مراعات سے چلنے والے اسکول و کالجز میں بھی اسے نفرت و عداوت کی بھینٹ چڑھائی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت، یعنی "زبان کا نہ تو اپنا کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ ہی مسلک" آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہے۔

جی! حاصل کلام یہ ہے کہ وزیر داخلہ امت شاہ کے اس بیان پر اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور اسے مان لینے کی صورت میں اس سے پیدا ہونے والے نتائج کو بھی اگر سہی طور پر بھانپ لیا جائے تو آخر کار نتیجہ یہی برآمد ہوگا کہ یہ بیان محض بھکتوں کو خوش کرنے اور ان کی نظر میں منہ میا مٹھو بننے کے لئے دیا گیا ہے، جو صرف اور صرف جذباتی و وقتی ہے، جمہوریت کے سراسر خلاف بھی ہے۔ ہاں! یہ تو ان ۲۲، زبانوں کا دن دہاڑے خون کرنے کے مترادف ہے جن کو آئین کے آٹھویں شیڈول میں درج فہرست زبان کا درجہ ملا ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کی رنگ برنگ تہذیب اور یہاں پہ رائج متنوع لسان و زبان کے یہاں اس قضیہ لا حاصل، یعنی "کسی کو اکثریت کے بل بوتے سر آنکھوں پہ بٹھا لینا اور کسی کو محض نفرت و عداوت کے نام پر کسی گہری کھائی میں لڑھکا دینے، کی سیاست ہرگز مقبول نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے نتائج کے طور پر کافی خطرناک صورت حال پیدا ہو جائے گی اور ملکی حالات بالکل دگرگوں ہو کر رہ جائیں گے۔ ☆☆☆☆

# دینی جلسوں کا معیار

## ایک تعمیری جائزہ

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

| | |
|---|---|
| نومبر ۲۰۱۹ء کا عنوان | دنیا کی صلاح وفلاح میں صوفیاے کرام کا کردار |
| دسمبر ۲۰۱۹ء کا عنوان | این. آر. سی. اہلِ ہند کے لیے مفید یا مضر؟ ایک جائزہ۔ |

## دینی جلسے: ایک تعمیری جائزہ

از: **مولانا محمد توفیق عالم مصباحی**، مدرسہ اہل سنت ضیاء الاسلام، پلاموں، جھارکھنڈ

**جلسہ** دعوت و تبلیغ کے نبوی اسالیب کا ہی ایک اسلوب ہے، یہ بڑا موثر طریقہ ہے، لوگوں تک بآسانی اور جلد اپنی باتیں پہنچائی جاتی ہیں، آج بھی یہ طریقہ رائج ہے، زمانۂ قدیم میں جلسے کا مقصود دین کی ترویج و اشاعت ہوتا تھا، اس کے رنگ و آہنگ سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ دین کی تبلیغ ہوگی، مگر آج اکثر جلسے اپنی افادیت کھو چکے ہیں، شہرت اور نام و نمود مطمحِ نظر بن چکا ہے۔

### جلسوں میں درآئیں خامیاں اور ان کی اصلاح:

اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں جلسے غیروں کی بہ نسبت زیادہ ہوتے ہیں، اس کے باوجود بے عملی، مجبوری اور کج روی بڑھتی چلی جارہی ہے اور اثر پذیری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اس کے وجوہات تلاش کریں تو مختلف اسباب وعلل ملتے ہیں:

**پابندیِ اوقات سے گریز:** کسی بھی پروگرام کی کامیابی میں وقت کی پابندی کا بڑا دخل ہوتا ہے، رات دیر تک شور و ہنگامہ ہو تو جلسے کو کامیاب سمجھا جاتا ہے، مگر مقاصد کے پیشِ نظر جلسے کی کامیابی پابندیِ اوقات کا متقاضی ہے۔ اس شب بیداری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کارآمد باتیں بھی ذہن سے نکل جاتی ہیں۔

**نمازِ فجر قضا ہو جاتی ہے:** آنے والا دن سستی و کاہلی کی نذر ہو جاتا ہے اور آس پاس غیروں کی آبادی ہو تو ان کی بھی نیند متاثر ہوتی ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ دورانیہ کم کیا جائے اور طوالت سے گریز۔

**موضوع کی تعیین نہ ہونا:** ہمارے ہاں بیش تر جلسوں میں خطیب کو نہ کوئی عنوان دیا جاتا ہے اور نہ کوئی موضوع۔ یہ کتنا سود مند ہوگا بتانے کی ضرورت نہیں، جب کہ مختلف مہینوں میں مختلف پروگرام ہوتے ہیں، ایک عام شخص کی توجہ بھی اس جانب منعطف ہوتی ہے کہ متعلقہ مہینے پر ہی گفتگو ہوگی، محرم میں شہداے کربلا، ماہِ ربیع الاول میں آقا کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور ماہِ ربیع الثانی میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہدفِ خطاب ہوں گے، اس زاویے سے ہٹ کر گفتگو ہوئی تو لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے، یہ اشاریہ ہے کہ پروگرام میں موضوع کا انتخاب ہو۔

عناوین کے انتخاب میں مدعو کے مزاج و ماحول اور علاقائی و جغرافیائی تقاضوں کا لحاظ بھی لازم ہے۔ جس علاقے میں جلسے ہوں وہاں کے مقامی علما و ائمہ علاقائی حالات و ضروریات کے مطابق عناوین منتخب کریں اور جلسے کے اشتہار میں عناوین کی بھی تشہیر ہو، موضوع کے تعین کا فائدہ یہ ہے کہ سامع کا ذہن منتخبہ عناوین کے مختلف گوشوں کی جانب مبذول ہوتا ہے اور یہی خطیب کا وعظ اور خطاب سننے کے لیے مہمیز کرتا

ہے۔ منتخب عنوان کے تحت گفتگو کے بعد ایک سیشن سوال و جواب کا بھی ہو تاکہ متعیّنہ عنوان پر سامع نے جو سوال اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے اگر اس کا جواب مل گیا تو فبہا، ورنہ وہ جواب کا متلاشی ہو گا، اسے سوال و جواب کے سیشن سے اپنے سوال کا جواب مل جائے گا۔ یہ بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ دینی مسائل پر مشتمل سوال و جواب ہوں جو دین سے شغف رکھنے والے کے ترجیحات میں شامل ہیں۔ اس طرح دین کی تبلیغ بھی ہو گی اور پروگرام کامیابی سے ہم کنار بھی۔

**غیر سنجیدہ ہنگامہ آرائیاں:** بے ہنگم نعرے، غیر سنجیدہ گفتگو اور جارحانہ انداز تبلیغ کے منافی ہیں، خطیب کے لیے ضروری ہے کہ متانت و سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کرے اور دین سے کمزور پڑتے رشتوں کو استحکام بخشے۔ صرف سامعین کے حظ و لطف پیشِ نظر نہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ کے تبلیغی طریقہ کار پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو تبلیغی روش دو حصوں پر مشتمل نظر آتی ہے: [۱] انذار [۲] تبشیر۔

آج اکثر خطیب پہلے حصے کو پرے رکھتے ہیں کہ اس میں نہ واہ واہی ہے اور نہ شور و ہنگامہ۔ شاید ہی کوئی اہلِ نظر گفتگو کرے۔ دوسرے حصے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے تاکہ سامعین سے داد و تحسین کی وصولیابی آسان ہو۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے اپنے عہد میں بشارتوں پر مشتمل وعظ و تقریر پر قدغن لگانے کی بات کہی تھی اور صرف انذار (بدعملی سے ڈرانے) پر زور دیا تھا جب کہ ہم ان کے زمانے اور ان کے دور کی خوبیوں سے کوسوں دور ہیں۔ ہمارے ہاں بدعملی، بے راہ روی، نماز و روزہ سے دوری اور فحاشی و گناہ پر آمادگی حد درجہ بڑھ چکی ہے، پھر ایسے حالات میں کیوں کر بشارتوں پر تقریریں ہوں اور ہوں تو دونوں پہلو مرکزِ خطاب ہوں، لیکن اس سلسلے میں بھی ہم افراط و تفریط کے شکار ہیں۔

بسا اوقات، مخالفین کا خوب بخیہ اُدھیڑا جاتا ہے، اگر مخالفین حاضر ہیں تو دلائل سے بھرپور اور شائستہ لب و لہجہ میں اپنی بات منوانے کی کوشش کریں اور مخالفین کی عدم موجودگی میں چیخ و پکار سے یہ سمجھنا کہ میدان ہمارا ہو گیا، یہ سطحیت کی طرف اشارہ ہے۔ ہاں سامعین کو مخالفین کے عقائد و نظریات سے آگاہ کرنا ہو تو بھی متانت و شرافت اور دلائل کی قوت سے صرفِ نظر مناسب نہیں۔

**تسبیحی کلمات اور نعت خوانی:** آج ہماری نعت خوانی میں حمد و منقبت کا خاصا امتزاج ہے، جو خود ایک سوالیہ نشان ہے کہ کیا نعت، نعت ہے؟ ادبی اعتبار سے صنفِ نعت کے اصول و ضوابط بھی متاثر ہوتے ہیں اور اہلِ ذوق کو تسکین کا سامان بھی نہیں ملتا۔ نیز گانے اور میوزک کی دھن پر نعت خوانی نعتیہ تقدس کی پامالی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس ضمن میں ہمارے نعت خواں صحیح سمت قبلہ متعیّن کریں۔ ہماری محفلوں میں قابلِ غور و فکر یہ بھی ہے کہ بعض نعت خواں اور خطیب سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کے بغیر ایک قدم چلنا بھی گوارا نہیں کرتے، کلماتِ تسبیح و تہلیل کا استعمال اس حد تک ہے کہ کوئی جملہ کوئی شعر پسند آ گیا تو از خود سامع سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہہ اٹھے۔

ہاں سامعین بے توجہی اور بے التفاتی کا مظاہرہ کر رہے ہوں تو ان کی توجہات اپنی جانب مبذول کرانے کے لیے سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کہلوائیں، مگر اس قدر نہیں کہ ان کی سماعت پر گراں گزرے۔

**قول و عمل:** قول و عمل میں تضاد، عملی افلاس اور اخلاقی زوال تبلیغِ دین میں رخنہ انداز ہوتا ہے، آج دنیا کی نگاہ داعی کے اقوال کے ساتھ ان کے اعمال پر بھی رہتی ہے، مگر اکثر خطبا و شعرا کی گفتگو، کردار کی صالحیت، اخلاقی بلندی اور اسلامی سادگی و خوبی پر مبنی ہوتی ہے، مگر ان کا طرزِ عمل، رہن سہن، اور لباس و حلیہ اس کے خلاف چغلیاں کھاتا ہے (الا ماشاء اللہ)۔ اگر قول و عمل میں مماثلت ہو تو تبلیغ کے دائرے بڑھ جاتے ہیں اور باتیں پر اثر ہو جاتی ہیں۔

سطورِ بالا پر عمل در آمد ہو تو ان شاء اللہ جلسے کی شفافیت ہر طبقے کو آواز دے گی۔

# دینی جلسوں کا معیار: ایک تعمیری جائزہ

از: **مولانا فیضان سرور مصباحی**، استاذ جامعۃ المدینہ فیضان عطار، نیپال گنج، نیپال

**مذہبی حلقوں** میں یہ بات ایک قاعدۂ کلیہ کے طور استعمال کی جاتی ہے کہ "اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو زندگی کے تمام تر شعبوں میں اپنے ماننے والوں کی رہ نمائی کرتا ہے، جب اسلامی تعلیمات کی یہ ہمہ گیریت تسلیم ہے تو پھر لازمی طور پر یہ بھی ماننا چاہیے کہ دینی جلسے اور مذہبی اسٹیج کو بھی کسی طرح کی استثنائی صورت حاصل نہیں، بلکہ وہ بھی کسی نہ کسی اسلامی نظام کے تحت ہوں گے اور ان کی خاطر بھی اسلامی

ہدایات موجود ہوں گی۔ اب انھیں تلاش کرنا اور ان ہی اصول وضوابط کی روشنی میں اسلام کی نشر و اشاعت کے اس شعبے کو سنبھالنا مذہبی طبقے کی ایک بڑی ذمہ داری ہے جس سے غفلت وکوتاہی بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہورہی ہے۔

اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت میں مذہبی محافل اور جلسوں کا ہر زمانے میں نمایاں کردار رہا ہے، مگر آج کے دور میں جہاں دیگر مذہبی شعبے اپنی اصلی معنویت کھوتے جارہے ہیں ، وہیں جلسوں کے بھی حالات کچھ اتنے اچھے نہیں رہے کہ ہم اپنے متعلقین کو دین سیکھنے کے نام پر وہاں بھیج سکیں، اور وہاں سے وہ بدگمان ہوکر واپس نہ آئیں۔

انتظامیہ سرپرست، صدر جلسہ، خطیب، نعت خواں اور اناؤنسر کے مجموعہ سے کسی بھی جلسے کا ایک بنیادی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے، لہٰذا ایک جلسے کو معیاری شکل دینے میں ان حضرات کے کردار کی بہتری کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ آنے والی سطور میں ان میں سے بعض کی ذمہ داریوں سے متعلق چند باتیں عرض کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔

## انتظامیہ اور کمیٹی سے متعلق چند گذارشات:

جلسے کے انعقاد کا ذہنی خاکہ تیار کرتے وقت ہی یہ طے ہوجانا چاہیے کہ اس کے پس پشت کیا کیا اغراض ومقاصد کارفرما ہوں گے۔ مقصدیت میں جس قدر حسن اور بلند ہوگی، آگے کے ثمرات ونتائج اسی قدر حسین اور نفع بخش ہوں گے، اس کے برعکس اغراض ومقاصد میں جیسی پستی ہوگی نتیجے اتنے ہی خراب آئیں گے، اس باب میں کتنا جامع اور بلیغ ارشاد گرامی "إنما الأعمال بالنيات" موجود ہے۔ یعنی اعمال کے نتائج نیتوں کے مطابق ہی نکلتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے ہماری نیت میں اخلاص اور نشرِ اسلام کا جذبہ ہونا چاہیے۔

جلسہ کرانے والے عموماً تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

(۱)-اہلِ مدارس وخانقاہ۔ (۲)-تنظیمات وتحریکات۔

(۳)-پرجوش مذہبی نوجوان۔

اہلِ مدارس وخانقاہ کے پیشِ نظر مقاصد میں محدودیت دیکھنے کو ملتی ہے، اگر ان میں تھوڑی اور وسعت کی کوشش ہوجاتی تو پھر افادیت مزید دوبالا ہوتی نظر آئے گی، جب کہ کسی تنظیم یا تحریک کے تحت منعقد ہونے والے جلسوں کے مقاصد بالکل غیر واضح ہوا کرتے ہیں، اسی طرح مذہب سے قدرے دلچسپی رکھنے والے پرجوش نوجوانوں کا جذباتی گروپ جب کسی پروگرام کے لیے تیار ہوتا ہے تو اسے قریب ہی کے بعض مذہبی نمائندے ان کا استحصال شروع کردیتے ہیں اور یوں بڑی آن، بان اور شان کے ساتھ جلسہ ختم ہوجاتا ہے، مگر اس کے انعقاد کا مقصد خاص خود ان نوجوانوں پر ظاہر نہیں ہو پاتا، یہ بھی ہماری مذہبی محفلوں کا بہت بڑا المیہ ہے۔

بہتری کی صورت یہ اپنائی جاسکتی ہے کہ پہلے ایجنڈا طے ہو کہ کن موضوعات پر ہمیں اسلامی پیغامات پہنچانے کی کوشش کرنی ہے، ایسے میں کثیر موضوعات کی تعیین کے بجائے حالات و مواقع کے لحاظ سے چند ہی موضوعات کا انتخاب ہو اور پھر ان کے مختلف فائدہ بخش پہلوؤں کی تعیین کی جائے۔ اب موضوع سے متعلق قابل اور اہل ذمہ دار افراد کی تلاش ہو، یہ نہ ہو کہ "سماج کو منشیات کی آلودگی سے کیسے بچائیں؟" موضوع ہو اور تین چار ایسے خطیب جلسے میں مدعو ہوجائیں جنھیں "رد عقائد" کے سوا دوسرے موضوعات سے کوئی سروکار نہیں۔

خلاصہ یہ کہ موضوع کے مطابق خطبا اور داعیانِ اسلام کو دعوت دے کر انھیں متعیّنہ موضوع کے تحت عنوان پر بولنا ہے، اس سے آگاہ بھی کردیا جائے، اس سلسلے میں قریب کے ذمہ دار علمائے کرام سے رابطہ کرکے مزید بہتر رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ ہم نے "ذمہ دار" کی قید اس لیے لگائی ہے کہ غیر ذمہ دارانہ عناصر کی اب تک کی کارکردگی حد درجہ تشویش ناک ثابت ہوئی ہے اور ان کے غلط رویوں کی وجہ سے اسلام بیزاری میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

اب پوسٹر چھپواتے وقت جلسے میں مدعو مہمانوں کے نام کے ساتھ متعلقہ موضوعات اور ذیلی عنوانات کی حسب حیثیت نشان دہی کردیں، اس سے اس جلسے کے تعلق سے عوامی تاثر اچھا ہوگا، مقصدیت واضح ہونے کی وجہ سے موضوع سے متعلق بیان جنھیں سننے کی خواہش ہوگی، ضرور شرکت کریں گے اور جنھیں اس میں دل چسپی نہ ہوگی پاس نہ پھٹکیں گے، ممکن ہے کہ شروع میں یہ ایک آزمائش ثابت ہو، مگر ماحول بن جانے کے بعد کام پر اس کے بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے نظر آئیں گے ـــــ لہٰذا جب پہلے سے مقصد متعیّن ہے تو پھر مقصد پر نظر رکھنی چاہیے، بھیڑ کی طرف توجہ نہیں دینا چاہیے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک مداری سڑک پر کتنے لوگوں کو جمع کرلیتا ہے، مگر کیا اس کی وجہ سے سماج میں کوئی عظیم مقام نصیب ہوجاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ سیاسی پنڈال میں ہونے والے سیاسی لیڈران کے بیانات کے وقت بھیڑ ہوتی ہے، مگر سماج

میں اس بھیڑ کی کیا وقعت ہوتی ہے، یہ ارباب فہم و دانش پر واضح ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ کمیت کے بجائے کاموں کی کیفیت اور اثر انگیزی پر نظر رکھنی چاہیے۔ ویسے بھیڑ اور قلت تعداد کے مسئلے کو دوسری اہم تدابیر کے ذریعہ حل کرنے کی سعی کی جاسکتی ہے۔

پوسٹر چھپواتے وقت سادگی کو مدِ نظر رکھنا چاہیے، بہت ہی قیمتی کاغذ اور ملٹی کلر پوسٹر کے علاوہ دوسری صورت میں بھی کام چلایا جا سکتا ہے، ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ رنگ برنگ کاغذی پوسٹر کے بجائے اسی سائز کا پوسٹر بینر والے کپڑے پر پرنٹ کرا کے چھوٹی چھوٹی کیلوں کے ذریعہ دیواروں پر آویزاں کیا گیا ہے، آخر اس کو فضول خرچی قرار نہ دیا جائے تو پھر کیا کہا جائے۔ افسوس قوم کے قیمتی روپے اور غریبوں کے پسینے کی کمائی کا کیسا غلط استعمال ہو رہا ہے، وہ بھی مذہب کے نام پر۔ بعد میں اس طرح کے عوامل انسان کو مذہب سے برگشتہ کرتے ہیں اور انسان بدظن ہو کر معاذ اللہ دہریت کے سائے میں چلا جاتا ہے۔

خانقاہی جلسے اور بزرگانِ دین کے اعراس کے نام پر عوام کی ایک بڑی تعداد جمع ہو جاتی ہے۔ ایسے میں وہاں ہونے والے جلسے یوں "خراج عقیدت" کی نذر ہو جاتے ہیں، جب کہ اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھا کر زائرین کی ذہنی تربیت کی جا سکتی ہے۔۔ ان پر آشوب حالات میں مناسب زندگی گزارنے کے اصول و آداب سے انھیں آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ مرکزی خانقاہوں میں علمائے کرام کا بھی ایک بڑا طبقہ اکٹھا ہوتا ہے، ایسے موقع پر اگر پوسٹر میں ہی حالات کے مطابق دو چار موضوعات پر نشان دہی کر کے یہ شرط لگا دی جائے کہ عرس کے مرکزی اسٹیج سے وہی خطاب کر سکتے ہیں جو متعیّنہ موضوع پر تیاری کر کے تشریف لائیں گے۔ یہ عوام و خواص سب کے حق میں سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ ورنہ مسند نشینان کی بے جا قصیدہ خوانی اور نفرت انگیز بیانات کے ذریعہ اپنی ہی جماعت کے افراد پر بالا دستی قائم کرنے کی کوشش سے قوم کا کیا بھلا ہونے والا ہے، سوائے اس کے کہ چند دنوں کے لیے عقیدت کی بنیاد پر اپنی قوم کا استحصال کر کے اپنی انا کی تسکین کا سامان فراہم کرایا جائے۔

## سرپرست و صدر جلسہ سے متعلق چند گزارشات:

نامی گرامی علما و مشائخ یا خود علاقے کے مستند و معتبر عالم دین کے نام زیر سرپرستی یا زیر صدارت کے تحت پوسٹر میں درج ہوتے ہیں، یہ نام اگر بغیر پوچھے ہی درج کر لیے گئے ہیں تو اس پر تنبیہ کرتے ہوئے ایک اعلامیہ جاری کر کے قوم کو دھوکے سے نکالنے کی تدبیر کرنی چاہیے اور اگر پوچھ کر درج کیے گئے ہیں تو رضا کار افراد یا کمیٹی والوں سے اپنی ذمہ داری اور دائرۂ کار کا پتہ لگا کر پہنچنا چاہیے اور نہایت ذمہ داری کے ساتھ جلسے کے مشمولات پر نظر رکھتے ہوئے اپنے اختیارات کی روشنی میں سنبھالنے کی کوشش کرنی چاہیے، ورنہ دیکھا یہ گیا ہے کہ اسٹیج مافیا اپنے کاروباری مفاد کے لیے بڑے بڑے معزز ناموں کا استعمال کر لیتے ہیں اور عوام بڑے علما سے بدظنی کا شکار ہو جاتی ہے۔

حضور مفتیِ اعظم شاہ مصطفےٰ رضا خاں بریلوی، مجاہدِ ملت علامہ حبیب الرحمٰن عباسی، خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی اور شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی وغیرہم علیہم الرحمہ والرضوان کی زیارت کا شرف تو حاصل نہ ہو سکا، مگر بعد کے بزرگوں سے سننے کو ملا ہے کہ یہ حضرات جب کسی جلسے کے صدر ہوتے تو عہدۂ صدارت و سرپرستی کا خوب خیال فرماتے تھے۔ علاقے میں پہنچ کر جلد از جلد جلسہ گاہ میں پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ واعظین اور نعت خوانوں کی حرکات و گفتار کو شرعی پیمانے پر تولتے رہتے۔ خلاف واقع بات نکل جانے پر فوراً تنبیہ فرماتے۔ بعض مرتبہ توبہ کی ضرورت محسوس ہوتی تو برملا ٹوک کر پہلے توبہ کرا لیتے پھر آگے کی کارروائی چلتی۔

اس سختی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ تقریر و بیان کے لیے مدعو حضرات بڑی ذمہ داری کے ساتھ کچھ بیان کیا کرتے تھے اور جھوٹے قصے اور کہانیوں کے ذریعہ اسٹیج کا معرکہ سر کرنے کے بجائے مستند روایات کی روشنی میں قوم کو اسلامی تعلیمات سے آشنا کراتے، جس کے مثبت اثرات ایک زمانے تک لوگوں کے ذہن و فکر میں قائم رہتے تھے اور جو مستند واقعات اور حقیقت بیانی کے اہل نہ ہوتے وہ ان تقدس مآب شخصیتوں کی صدارت و سرپرستی میں ہونے والے جلسوں سے دور ہی رہا کرتے تھے۔ شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"اور اب تو مقررین نے آپس میں یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ اگر منبر پر شریف الحق رہے گا تو ہم لوگ تقریر نہیں کریں گے۔"

(فتاویٰ شارح بخاری، ج:۲، ص:۱۳۱، دائرۃ البرکات، گھوسی)

اے کاش! زیر سرپرستی اور زیر صدارت کے خانے میں ناموں کے اندراج کے بعد یہ احساس ذمہ داری آج بھی بیدار ہو جائے کہ اسٹیج کے ستاروں کے ذریعہ زبانی و عملی اور معیاری و غیر معیاری جس قسم کے بھی پیغامات نشر ہوں گے، سرپرست و صدر اس کا ذمہ دار ہوگا اور نیکی یا بدی کے تمام تر نتائج و ثمرات کے ذریعہ صدر و سرپرست کا نامۂ اعمال بھی پُر

ہوگا۔ لہٰذا اگر وقت ہو اور احسن انداز میں سنبھالنے کی لیاقت ہو تبھی ان عہدوں کو قبول کرنا چاہیے ورنہ صاف گوئی سے معذرت کر لینی چاہیے، ورنہ اس حوالے سے ہماری غفلت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی اسٹیج عجیب عجیب قسم کے ڈرامائی افراد کا اڈہ بن کر رہ گیا ہے، نہ کوئی انھیں ٹوکنے والا نہ منہ میں لگام دینے والا، صحیح و غلط، مستند و غیر مستند، جھوٹ و سچ جو زبان پر آجائے ٹرین کی رفتار سے بولتے چلے جاتے ہیں۔

راقم الحروف کا مزاج ایسے ہنگاموں سے بالکل ہی دور رہنے والا ہے۔ اسی لیے اپنے گاؤں میں ہونے والے جلسے کی صدارت کرنی پڑتی ہے تو اس کا حد درجہ لحاظ رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ معیاری خطیب اور سنجیدہ اصلاحی تقریر کرنے والے کی تلاش پہلی ترجیح ہوتی ہے، سالِ گذشتہ ۱۴۴۰ھ میں اپنی عادت کے مطابق صدارت کا خیال کرتے ہوئے تلاوت کے وقت ہی اسٹیج پر چلا آیا، اور ساتھ ہی ایک ہدایت نامہ لکھ کر اسٹیج کے مرکزی مقام پر رکھ دیا تاکہ منبرِ رسول ﷺ کا اپنا تقدس بھی برقرار رہے۔ چناں چہ اسٹیج پر مدعو مہمان جوں ہی اسٹیج پر آتے، انھیں یہ ہدایات پیش کر دی جاتیں، وہ مسکراتے لبوں سے پڑھ کر اپنی جگہ پر رکھ دیتے۔ موضوع کی مناسبت سے وہ ہدایت نامہ یہاں شامل کیا جا رہا ہے، شاید اصلاح پسندوں کی کسی جماعت کے کام آجائے:

## اہلِ اسٹیج توجہ فرمائیں:

خطیبانِ اہلِ سنت، نعت خوانِ رسول اور نقیبِ اجلاس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدمتِ اقدس میں عرض یہ ہے کہ یہ مجلس نبی ﷺ کے نام سے موسوم ہے، اس لیے اس کے تقدس اور پاکیزگی کا لحاظ فرمائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ جانے انجانے میں غیر مہذب، ناشائستہ اور جھوٹی باتیں صادر ہو جائیں اور ہم آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے شکار ہو جائیں۔ لہٰذا اسلامی آداب و تعلیمات کا خیال کرتے ہوئے عوام کو اسلامی افکار و نظریات سے آگاہ فرمائیں۔

◘ مقررین حضرات اپنی تقاریر میں صحیح، مستند اور سچے واقعات ہی بیان فرمائیں۔ آپ کو وعظ کے لیے بلایا گیا ہے تو پھر نعت خوانی نہ شروع کر دیں کہ اس کے لیے الگ سے کمیٹی نے انتظام کیا ہے۔

◘ جلسہ کی نظامت کرنے والے "نقیبِ اجلاس" سے گذارش ہے کہ جب کسی مقرر، نعت خواں وغیرہ کو عوام کے روبرو کریں تو ان کے مقام اور حیثیت کے اعتبار سے ہی القاب و آداب کا استعمال کریں اور جھوٹ بولنے سے گریز کریں۔

◘ نعت خواں حضرات بھی یہ بات ذہن میں بٹھا لیں کہ میوزک، ڈھولک اور ہارمونیم کے انداز میں اور فلمی گانوں کے طرز پر نعت خوانی شرعاً ممنوع ہے، لہٰذا اس سے بچیں۔

◘ امید ہے کہ اہلِ اسٹیج ان باتوں کا خیال فرمائیں گے اور عوام اہلِ سنت کو ایک اچھا پیغام دے کر ہی رخصت ہوں گے اور ہمیں بھی جواب دہی و تنبیہ کی زحمت سے بچائیں گے۔

من جانب: صدر اسٹیج

مذکورہ بالا ہدایات کی روشنی میں الحمد للہ پروگرام کا سلسلہ چلا، بہت حد تک اہلِ اسٹیج نے ان کی رعایت بھی فرمائی، ایک دو جگہ تنبیہ کی خدمت کا بھی موقع ملا، مگر مجموعی طور پر جلسہ بہت کامیاب رہا۔ ان تفصیلات کو ذکر کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ سرپرست و صدر جلسہ کی نام زدگی محض خانہ پری کے طور نہ ہونی چاہیے، بلکہ اچھی طرح راعی اور نگہبان بن کر احسن انداز میں اسٹیج کا نظام سنبھالتے رہنا چاہیے۔

## خطبا اور واعظین سے متعلق چند گزارشات:

علمائے اہلِ سنت میں قابلِ کار افراد کی کمی نہیں، مگر افسوس کہ ہمارے رویوں نے انھیں معاشرے کے حق میں ایک اجنبی قوم بنا کر رکھ دیا ہے۔ اب حال یہ ہے کہ علم داں، خاک نشیں و بے علم داں مسند نشیں کا ہر سو جلوہ نظر آرہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قابل افراد اسٹیج سے دور ہی رہ گئے اور کاروباری مزاج رکھنے والوں و چٹکلے سنانے والوں نے اس مذہبی پلیٹ فارم کو اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنا کر عجیب صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔ یہی لوگ علمائے اہلِ سنت کے نام عوام کے روبرو ہوئے اور پھر عوام کے ذہنوں میں یہ تاثر گیا کہ سنی حضرات اندر سے کھوکھلے ہو چکے ہیں، انھیں علم کا دور سے بھی واسطہ نہیں، یوں بدظن ہو کر بہت سے لوگوں نے اہلِ سنت سے دوری پیدا کر لی۔ تقریروں میں موضوع اور غیر مستند بیان کرنے کا چلن اتنا عام ہوا کہ اب یہ کثرت مستقل فن کا درجہ چاہتی ہے۔ داد و تحسین وصول کرنے کے لالچ میں ندرتِ بیانی کی فکر لاحق ہو جاتی ہے، یوں موضوع یا شیعی روایات، یا پھر غیر مستند واقعات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کبھی ماحول گرم کرنے کے لیے اصل ثابت شدہ واقعات میں ایسی رنگ آمیزی کی جاتی ہے کہ فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اصل کتنا ہے اور اس میں ملمع سازی کی مقدار کتنی ہے۔

اس سلسلے میں کچھ اپنے تجربات بھی ہیں، ساتھ ہی شارح بخاری

حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی بھی مختلف تحریرات پڑھنے کو ملیں۔ ایک جگہ حضرت لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ہمارے واعظین پر رحم فرمائے، ان کا مقصود عوام سامعین سے داد وتحسین ہوتا ہے، ان کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ بات کیسی ہے اور یہ بات آج ہی سے نہیں بلکہ متقدمین کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے موضوعات کبیر میں ایک حکایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت امام شعبی جو اجلہ تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا تو دیکھا کہ ایک لمبی داڑھی والے شخص وعظ بیان کر رہے ہیں، انھیں لوگ گھیرے ہوئے ہیں، اس نے بیان کیا کہ مجھ سے فلاں نے حدیث بیان کی، ان سے فلاں نے حدیث بیان کی، یہاں تک کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو صور پیدا فرمایا ہے، ہر صور میں دو بار پھونکا جائے گا، ایک بے ہوشی کے لیے ایک قیامت کے لیے۔ امام شعبی نے فرمایا: میں ان واعظ صاحب کے پاس گیا اور کہا: اللہ سے ڈرو اور جھوٹی حدیث بیان مت کرو، اللہ تعالیٰ نے صرف ایک صور پیدا فرمایا ہے، جس میں دو بار پھونکا جائے گا تو اس نے کہا کہ اے بدکردار! تو میرا رد کرتا ہے اور اپنا جوتا اٹھا کر مجھے مارنا شروع کر دیا، پھر پورے مجمع نے میری پٹائی شروع کی اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دو صور پیدا کیا ہے تو ان لوگوں نے میری جان بخشی۔

میرے ساتھ اس حد تک تو نہیں مگر اس کے قریب قریب کئی حادثے ہو چکے ہیں، ایک بہت مشہور و معروف مقرر نے بیان کیا کہ جو یہ کہے کہ قبر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شبیہ پیش کی جائے گی، وہ کافر ہے۔ بعد تقریر میں نے اس کو ٹوکا تو وہ لڑ پڑے، سامعین اور اراکین بھی ان کے ہمنوا رہے اور وہ ہمارے مستقل مخالف بن گئے اور اب بھی ہیں۔ اور اب تو مقررین نے آپس میں یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ اگر منبر پر شریف الحق رہے گا تو ہم لوگ تقریر نہیں کریں گے۔" (فتاویٰ شارح بخاری، ج:۲، ص:۱۳۱، دائرۃ البرکات، گھوسی)

اسی طرح کے غیر ذمہ دارانہ رویے نے خطبا اور واعظین کی ذات کو اہلِ علم کے نزدیک اتنا داغ دار کیا ہے کہ بالکل ہی بے اعتبار ہو کر رہ گئے، نہ ان کی کتابیں استناد کے لائق ٹھہریں، نہ ان کی گفتگو کا وزن سلامت رہا۔ کتب خانہ میں پڑی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے ان کا کیا معیار ہے اور کثرت کے باوجود صاحبانِ فہم و تحقیق کے نزدیک ان کی کیا وقعت ہے، خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔

"تخریج الاحادیث" کے نام سے ٹیلی گرام پر میرا ایک گروپ چلتا ہے، جس کے ذریعہ احادیث کے نام سے سوشل میڈیا پر وائرل روایات اور اسٹیج کے مقررین کی زبانوں سے سنی جانے والی حدیث کے نام پر شگفتہ مقولے، روایات اور قصص کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ تو دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اپنی اس چھوٹی سی زندگی میں بڑی بڑی کانفرنسوں کا دورہ کر لیا ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ ان میں سے بعض بڑی کانفرنسوں میں بیان کردہ روایات میں جب تحقیق اور چھان بین کے لیے گروپ میں بھیجی جاتی ہیں تو ان کے معیار اور حق بیانی کا بھانڈا پھوٹتا نظر آتا ہے، اس گروپ کی وساطت سے سال بھر کا جو تجربہ ہوا، وہ یہ کہ مذہبی اسٹیجوں کی حالت بالکل ہی ناگفتہ بہ ہو چکی ہے، حدیث کے نام پر ایسی ایسی رکیک باتیں مقررین بیان کر جاتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

خطبا اور واعظین اپنے موضوعات میں تنوع پیدا کریں، اپنے کو اپڈیٹ کرتے رہیں، حالات کے تقاضوں کے مطابق اپنے بیان میں مواد شامل کر کے عوام کے روبرو ہوں، یہ کیسی عجیب بات کہ اسلامی موضوعات کی وسعت کے باوجود اہلِ اسٹیج کی اکثریت چند ہی موضوعات پر خطاب کی اہلیت رکھتی ہے۔ حالات کے تقاضے کچھ اور کہہ رہے ہوتے ہیں اور ہم کچھ اور ہی سنا رہے ہوتے ہیں۔ اس عمل کا منفی اثر یہ پڑا کہ پڑھا لکھا طبقہ ہمارے جلسوں سے دور ہوتا گیا اور پھر بدمذہبوں کے جال میں پھنس گیا یا پھر لادینیت کا شکار ہو کر رہ گیا۔

اردگرد کے جلسوں کا جائزہ لیں تو حاضرین کی اکثریت، قریب کے مدارس کے طلبہ یا غریب مزدوروں پر مشتمل ملے گی، جاب کرنے والے اور عصری تعلیم یافتہ افراد جنھیں کچھ نہ کچھ دنیاوی وجاہت و عزت حاصل ہے وہ ہمارے جلسوں کا حصہ بننا پسند نہیں کرتے۔ غور کرنا چاہیے کہ یہ لوگ ہم سے دور ہو کر کہاں سے دین سیکھ رہے ہوں گے، یہ بہت ہی نازک مقام ہے۔ آخر حشر میں ان کی بے راہ روی کا ہمارے پاس کیا جواب ہوگا؟ کیا داعیانہ زندگی کے تقاضے انھیں مذہب سے قریب کرنے والے نسخوں پر عمل کی اجازت نہیں دیتے۔

مذہبی نمائندگی کا بیڑا اٹھانے والی قوم کو بہترین انداز میں مشاورت کی ضرورت ہے، اس کے بعد کوئی مثبت قدم اٹھانا چاہیے، خود کو دفاعی پوزیشن سے نکال کر اقدامی پوزیشن میں لانے کی تدابیر اپنانی چاہئیں، تبھی اپنے نیک مقاصد میں کامرانی و کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔ یاد رہے کہ دفاع سے کوئی بھی قوم فقط اپنی جگہ رہ کر اپنا بچاؤ کر سکتی ہے ترقی نہیں، ترقی کے لیے اقدام کی صورت اپنائی جاتی ہے۔ خیر القرون کی اقدامی کوششوں کو سامنے رکھ کر آگے بڑھیں، اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا دماغ ہر ایک کے پاس موجود ہے، اس کا استعمال کریں، نیست و ہست کے سارے زاویے کھل کر سامنے آجائیں گے۔

☆☆☆☆

# وسیلۂ نجات

**تبصرہ نگار: مہتاب پیامی**

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | وسیلۂ نجات |
| شاعر | : | محمد مجاہد حسین رضوی حسنؔ الہ آبادی |
| سن اشاعت: | | ۲۰۱۹ء صفحات: ۱۹۲ |
| قیمت | : | ۲۵۰روپے |
| ناشر | : | ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس<br>انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی |

حضرت مولانا محمد مجاہد حسین رضوی حسنؔ الہ آبادی کا مجموعۂ کلام "وسیلۂ نجات" زیرِ مطالعہ ہے۔ شاعر نے "اپنی بات" کے تحت اپنی نعتیہ شاعری کی ابتدا کا جو پس منظر پیش کیا وہ پیشِ خدمت ہے:

"بات ۱۹۸۴ء کی ہے، جب میں مدرسہ حنفیہ سنیہ مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر میں تدریسی خدمات پر مامور تھا، مدرسے کے اہتمام میں ایک پرنٹنگ پریس کی خریداری کے لیے رقم فراہم کرنے کے مقصد سے ایک مشاعرے کا انعقاد ہوا، اسی موقع پر میں نے اپنی زندگی کا پہلا نعتیہ کلام لکھا۔

ہوا ہے فخرِ دوعالم کا اس زمیں پہ ظہور
اسی لیے یہ زمیں آسمان لگتی ہے
جو متّصل ہے تنِ سرورِ دوعالم سے
وہ خاک عرشِ معلّی کی جان لگتی ہے

اس مشاعرے میں میری ملاقات ملک کے معروف شاعر حضرت اجمل سلطان پوری سے ہوئی، میں نے انھیں اپنا یہ کلام دکھایا، انھوں نے مطلع اور تیسرے شعر میں کچھ ترمیم کرکے صاد کردیا۔

(وسیلۂ نجات، ص:۴۴-۴۶)

کتاب کی ابتدا میں بطور تبرک حسان الہند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی درج ذیل رباعی شامل کی گئی ہے۔

اللہ کی سر تابہ قدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اس طرح حضرت مولانا محمد مجاہد حسین رضوی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ سے اپنی فکری وابستگی اور قلبی محبت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر حسن رضا خاں (پٹنہ) نے کلماتِ تکریم رقم فرمائے ہیں اور تجزیاتی مضامین ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر الہ آبادی اور مولانا محمد میکائیل ضیائی نے تحریر کیے ہیں جب کہ تقدیم ڈاکٹر ظفر انصاری ظفرؔ نے لکھی ہے۔

ڈاکٹر حسن رضا خاں لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا مجاہد حسین صاحب حسن رضوی کے نعتیہ مجموعے کو دیکھنے کے بعد یہ بات یقین کے اجالے میں آجاتی ہے کہ قدم قدم پر معاشرے کی اصلاح اور تزکیۂ نفس کا جذبہ موجود ہے۔"

(وسیلۂ نجات، ص:۱۲)

ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر ابوالعلائی مصباحی، سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، الہ آباد نے مولانا مجاہد حسین اور ان کی شاعری کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے:

"عشق و محبت کے نت نئے پیمانے چھلکانے اور حسنِ تخیل کے نئے نئے گل بوٹے پیش کرنے والوں میں محب گرامی، خطیب باوقار، علامہ الحاج محمد مجاہد حسین رضوی قبلہ نائب قاضی شہر، الہ آباد و استاذ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد بھی چڑھتے سورج کی طرح سامنے آئے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل مجھے ان کی شعری رفتار اور مشق و ریاض کی کوئی خبر نہیں تھی اور نہ ہی رسائل و جرائد میں تخلص حسنؔ کے نام سے کسی کام پر نظر پڑی۔ پردۂ خفا میں پرورش پانے والی یہ شعری صلاحیت جیسے ہی باقاعدہ شعری مجموعہ "وسیلہ نجات" کی شکل میں سامنے آئی تو حیرت و استعجاب کی کوئی

انتہا نہ رہی۔(وسیلۂ نجات،ص:۱۵)

ڈاکٹر ظفر انصاری ظفرؔ نے کتاب پر مقدمہ تحریر فرمایا ہے اور چند صفحات میں نعتیہ ادب کی تدریجی تاریخ اور موضوعات کو بڑے سلیقے سے پرو دیا ہے۔

اصل کتاب کی ابتدا حمدِ باری تعالیٰ اور مناجات سے ہوتی ہے، اس کے بعد "ایک آرزو" کے عنوان سے ایک نظم جس میں شاعر نے یہ آرزو ظاہر کی ہے کہ کاش میں انسان ہونے کی بجاے مدینۃ الرسول ﷺ کی زمین ہوتا..... اور ایسا ہونے پر مراتب اعلیٰ نصیب ہوتے ان کا خوبصورت تذکرہ فرمایا ہے، مطلع اور مقطع ملاحظہ فرمائیے۔

یہ اکثر سوچتا ہوں کاش میں انساں نہیں ہوتا
رسول اللہ کے شہرِ مبارک کی زمیں ہوتا
گزرتی میری صبح وشام امن وعیش سے ہر دم
حسن مجھ کو عذابِ آخرت کا ڈر نہیں ہوتا

اس کے بعد نعتیں شاملِ دیوان ہیں۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محض مجموعۂ کلام نہیں بلکہ مکمل نعتیہ دیوان ہے اور "الف تا ے" تمام ردیفوں پر کلام کہے ہیں۔ یہ حسنِ ترتیب کی علامت ہے اور شاعر کی شعری پختگی کا خوبصورت استعارہ بھی۔ زیادہ کلام "ی" اور "ے" کی ردیف پر ہیں۔

ردیفوں میں تازہ کاری بھی ہے اور ندرت بھی، کچھ ردیفیں دیکھیے:

گلاب، سبب، مدحت، صورت، ہاتھ، چوکھٹ، کروٹ، سچ، ترجیح، تاریخ، پسند، جوڑ، مخصوص، ربط ضبط، چراغ، آنکھوں میں، وغیرہ۔

کلام میں عقائدِ اہلِ سنت کی ترجمانی بھی ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نظریاتِ شاعری کی اتباع بھی، مذہبی نقطۂ نظر سے ارفع و اعلیٰ خیالات کو نظم کرنے کی بہترین کوشش کی ہے اور زبان و بیان کے لحاظ سے سادگی کی اعلیٰ ترین مثال بھی، بعض اشعار ملاحظہ فرمائیے جو آسان زبان میں نظم کیے گئے ہیں۔

اگر تمھارا ارادہ ہو نعت لکھنے کا
تو پہلے دل میں کرو عشق کا دیا روشن
حسن چراغ جلاؤ نبی کی مدحت کا
تمھاری قبر رکھے گا خدا سدا روشن
نار کو نور سے بدل ڈالا
میرے آقا کا ہے جواب کہیں

جلاؤ دل میں نبی کی محبتوں کے چراغ
بساؤ صورتِ خیر الانام آنکھوں میں
کبھی تو آئیں گے محبوب کے قدم اِس میں
حسن کیے رہو سب انتظام آنکھوں میں
اگر ہوتی نہ بعثت رحمتِ عالم کی دنیا میں
تو پھر مظلوم کو انصاف دلوانے کہاں جاتے
اگر آتے نہ ہر پھر کر تمھارے آستانے پر
یہ مجرم اپنے روٹھے رب کو منوانے کہاں جاتے
مِرے گناہ سے دفتر تو ہیں بھرے لیکن
کرم پہ ان کے بھروسا ہے بے پناہ مجھے

کتاب میں شامل ایک غیر مردف نعت بحر رجز مثمن سالم میں ہے، "م" کے قافیہ پر کہی گئی اس نعت میں جو غنائیت ہے اس کا جواب نہیں، شاعر نے قرآنی الفاظ کو جس حسن و خوبی کے ساتھ شامل کیا ہے وہ انھیں کا خاصہ ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

وہ روضۂ سرکار ہے اب ہوش میں آجاؤ تم
یہ بارگاہِ ناز ہے لا ترفعو أصواتکم
وہ نورِ حق، نورِ خدا، مثلِ بشر کیوں کر ہوا
قرآن کو دیکھو ذرا، ارشاد ہے قد جاءکم
کیا کہہ رہے ہو ان کو تم یہ دیکھنا مقصود ہے
باقی تو بس تمہید ہے مَن ربُّکُم ما دِینُکُم

کتاب کا آخری حصہ مناقب پر مشتمل ہے، اس حصے میں عظمتِ قرآن کے عنوان سے ایک نظم شامل ہے اس کے بعد حضرتِ علیِ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، غوثِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ، حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمہ اور حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ کی بارگاہوں میں ادب کے ساتھ نذرانۂ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

آخر میں غلام ربانی شرف نظامی نے مولانا محمد مجاہد حسین رضوی حسن الہ آبادی کی سوانح تحریر فرمائی ہے جس میں ان کی زندگی کے بیش تر گوشوں کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔

مجموعی اعتبار سے کتاب قابلِ مطالعہ ہے، امید ہے کہ مستقبل کے نعتیہ ادب میں ان کی بھرپور حصہ داری ہوگی اور ان کی ذات سے اس صنفِ سخن کو مزید ارتقا حاصل ہوگا۔ ☆☆☆

# نعتیں

## بروزِ محشر

کھلا پیمبر کی رفعتوں کا وہ باب ہوگا بروزِ محشر
ہر اک زباں پر ترانۂ آں جناب ہوگا بروزِ محشر

تحفظِ عظمتِ نبی میں جو اپنی عظمت کرے گا قرباں
یقین جانو وہ شخص عزت مآب ہوگا بروزِ محشر

خدا نے ایماں کی دی ہے دولت، ہوں امّتیِّ نبیِّ رحمت
بتاؤ پھر میرا حال کیوں کر خراب ہوگا بروزِ محشر

مِرے نبی دافعِ بلا ہیں، یہاں "نہیں" ہے جواب جن کا
انھیں کی نوکِ زباں پہ مثبت جواب ہوگا بروزِ محشر

جو مشکلوں میں بھی گِھر کے ان کا چراغِ عظمت جلا رہے ہیں
انھیں کے حق میں نہایت آساں حساب ہوگا بروزِ محشر

فقط عمر پر تمھیں بھروسا، منافقو! خوب یاد رکھنا
جسے حقیقت سمجھ رہے ہو وہ خواب ہوگا بروزِ محشر

وہ جن کے رَستے میں دشمنوں نے حسنؔ بچھائے ہیں روز کانٹے
لبوں پہ ان کے "انا لھا" کا گلاب ہوگا بروزِ محشر

----------

از: **مولانا محمد مجاہد حسین رضوی حسنؔ الٰہ آبادی،**

## مستزاد

ہستی ہے ترِی باعثِ تسکینِ دوعالم — اے نورِ مجسم
تلوار کے زخموں پہ ہے کردار کا مرہم — اے نورِ مجسم

گلزارِ مدینہ میں خزاں آئے تو کیسے — غم ڈھائے تو کیسے
گرتی ہے شبِ تار میں ہر پھول پہ شبنم — اے نورِ مجسم

دنیائے حوادث میں تجھے ہم نے پکارا — تیرا ہے سہارا
آفات و مصائب نے ہمیں کر دیا بے دم — اے نورِ مجسم

ہر ثابت و سیّار نے دی ہے یہ گواہی — تو نورِ الٰہی
دنیا میں رسالت ہے ترِی آیتِ محکم — اے نورِ مجسم

مل جائے اگر خواب میں دیدار کی دولت — اے واہ رے قسمت
کیا چاہیے دیوانے کو، دینار نہ درہم — اے نورِ مجسم

تخلیق تری، دستِ مشیت کا ہے شہکار — اے صاحبِ اسرار
تقدیرِ دوعالم کا ہے اک تو ہی تو محرم — اے نورِ مجسم

بیتاب نظر اُسکی ہے بے چین جگر ہے — تم کو تو خبر ہے
مہتابؔ کی لو جلد خبر، دور ہوں سب غم — اے نورِ مجسم

----------

از: **مہتاب پیامی**، مبارک پور

# وفیات

## آہ! صوفی ضامن علی رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا محمد عرفان قادری، استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، بڑا چاند گنج، لکھنؤ

**عالم باعمل**، ہر دلعزیز خطیب حضرت مولانا صوفی ضامن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۶؍ستمبر ۲۰۱۹ء بروز دوشنبہ بوقت ساڑھے تین بجے دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحوم باصلاحیت عالم دین اور صوفیٔ باصفا تھے۔ آپ کی زندگی سنت و شریعت کی آئینہ دار تھی۔ صوفی ضامن علی کی ولادت ۵؍اپریل ۱۹۴۵ء کو موضع گڑھی دلاور ضلع امیٹھی میں ہوئی۔ ناظرہ قرآن پاک اور دینیات کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ اس کے بعد گورنمنٹ مڈل اسکول امیٹھی سے مڈل کلاس تک کی تعلیم حاصل کی اور ایگری کلچر ڈپارٹمنٹ میں آٹھ برس تک ملازمت کی۔ لیکن اللہ کو آپ سے دین و شریعت کا کام لینا تھا۔ چنانچہ ۲۸؍سال کی عمر میں آپ دینی تعلیم کی طرف راغب ہوئے اور مدرسہ سراج العلوم لطیفیہ جگدیش پور میں مولانا محمد حنیف اعظمی سے عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں دارالعلوم منظر حق ٹانڈہ سے فضیلت کی تکمیل کی۔ آپ کی شخصیت کو سنوارنے میں علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی مصنف سیرت المصطفیٰ نے فعال کردار ادا کیا۔ فراغت کے بعد مدرسہ سراج العلوم لطیفیہ میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے اور تقریباً ۴۰؍برس تک درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا، ۲۰۰۷ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ تدریس کے ساتھ صوفی صاحب کو تقریر و خطابت پر بھی ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی اپنی تقریروں کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کے تقریر کا انداز بہت نرالا تھا۔ دیہی علاقوں میں عوام ہی کی زبان میں خطاب فرماتے تھے اور بڑی آسانی سے اپنی بات سامعین کے دلوں میں اتار دیتے تھے۔ آپ انتہائی با اخلاق، ملنسار اور وعدہ و قول کے پابند تھے۔ سادگی اور انکساری آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تقریر کے لیے کبھی نذرانے کا مطالبہ نہیں کیا، تاریخ دیتے تو ہر حال میں پہنچتے۔ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ سے مرحوم کا خاص لگاؤ تھا۔ اپنے نواسے قاری مصباح الدین کو حفظ و قرأت کی تعلیم کے لئے ادارہ میں بھیجا۔ ۲۰۰۹ء کے جلسۂ دستار بندی جس میں آپ کے نواسے کی فراغت ہوئی علما و مشائخ کی موجودگی میں نصیحت آمیز تقریر فرمائی اور دارہ کے اساتذہ و اراکین کو خوب خوب دعاؤں سے نوازا۔ رب کریم مرحوم کی دینی خدمات کو قبول فرما کر ان کی بخشش فرمائے اور پسماندگان اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔ ☆☆☆☆☆

## الحاج محمد ظہور انصاری نے داعیِ اجل کو لبیک کہا

از: محمد مجسم رضا، گڑھوا، متعلم جامعہ اشرفیہ

۲۶ اگست ۲۰۱۹ء بروز پیر بعد نماز مغرب ایک دل دہلا دینے والی خبر واٹس اپ گروپ تنظیم پیغام اسلام کے ذریعہ موصول ہوئی کہ جناب مولانا ابوہریرہ رضوی مصباحی کے والد محترم جناب الحاج محمد ظہور انصاری صاحب کا ابھی انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. حاجی صاحب کا تعلق صوبہ جھارکھنڈ کے ضلع رام گڑھ سے تھا، آپ لوگوں میں ملی و سماجی حیثیت سے جانے جاتے تھے، آپ نیک صفت، خوش اخلاق، پابند صوم و صلاۃ تھے، آپ مدارس دینیہ اور مساجد کی تعمیر و ترقی میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے، آپ علما نواز بھی تھے، لوگوں سے مسکرا کر باتیں کرنا آپ کا وصف خاص تھا۔ جنازے میں کافی تعداد میں علما و عوام کی بھیڑ تھی، جنازے کی نماز ان کے صاحب زادے مولانا ابوہریرہ رضوی مصباحی نے پڑھائی۔ ان کا انتقال بعد نماز عصر ہوا وہ بھی ایک ایسی محفل میں جہاں آپ حج کے تعلق سے ارکان کی ادائیگی کے سلسلے میں گفتگو کر رہے تھے، اسی اثنا میں آپ کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ ☆☆

# مکتوبات

## دو حرفی Tripple ہی ناری کی بھلائی

مکرمی! اسلام مسنون۔

جولائی ۲۰۱۹ء اشرفیہ کا اداریہ پیش نظر ہے۔ صاحب اداریہ کے مذکورہ اداریہ کے بعض شرعی نقوش میں شرکت سفر کی خواہش کے ساتھ چند سطریں سپرد قرطاس کرتا ہوں۔

لے کے آیا ہے جہاں میں عادت سیماب تو
تیری بیتابی کے صدقے ہے عجب بیتاب تو

اور بے شک مذہب اسلام نے پاور کے Miss Use کو کبھی پسند نہیں کیا۔ لاثانی بانی اسلام علیہ السلام نے لجارك عليك حق فرما کر پڑوسیوں کے حقوق کی پامالی کو ہمیشہ کے لیے روک دیا۔ پھر وہ پڑوسی چاہے گلی کھلیان کا ہو یا ملک وصوبے کا، تبریز انصاری کا ہو یا پرمود مہاجن، شکنتلا ہو یا شائستہ۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

لہذا ظلم وزیادتی انسانوں کا کام نہیں جانوروں کا ننگا ناچ ہے۔

وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ.

تبریز انصاری کی بیوی کو صرف تین مہینے میں بیوہ بنانے والو برہمن کی بیٹی شکنتلا کو دیکھو، بنارس کی شکنتلا مسلم حکمراں کے دربار میں فریادی بن کر پہنچی۔ فریادیوں کی لائن میں مردانہ لباس میں کھڑی لڑکی کو مسلم بادشاہ نے پہلی نظر میں پہچان لیا اور سب سے پہلے دربار میں بلا لیا، اپنی چادر سے برہمن بیٹی کا سر ڈھانپا، اشک بار آنکھوں سے فریاد سنی۔ عزت واحترام کے ساتھ بیٹی کو واپس لوٹایا، خود ایک ماہ بعد بنارس پہنچے۔ بنارس کے مسلم گورنر کو ننگے ہاتھوں پکڑا اور دو ہاتھیوں کے بیچ میں بندھوا کر چیر ڈالا۔ اور مکمل ایک مہینے کے بعد اپنی منہ بولی بیٹی شکنتلا کے آنگن میں بیٹھ کر بھوجن کیا۔ اور شکنتلا کی ڈولی سجا کر شوہر کے گھر رخصت کیا۔ کہتے ہیں اورنگ زیب نے شکنتلا کے آنگن میں جہاں بیٹھ کر کھانا کھایا تھا آج وہاں مسجد تعمیر ہے۔

اسے کہتے ہیں سب کا ساتھ، سب کا وکاس اور سب کا وشواس۔

وسیع الالقاب مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب دام کرمہ نے اپنے مذکورہ اداریہ کے اندر حکومت وقت سے کیے گئے مطالبات کے ضمن میں Triple طلاق شرعی کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ فاقول Triple طلاق پر لوک سبھا، راجیہ سبھا میں گرما گرم بحثیں چلیں، Channels پر آر پار کی ٹکر کے نظارے دیکھے گئے، ماتم کے بجائے لڈو بھی بٹے کیوں کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر۔ اور سپریم کورٹ نے تین طلاق دینے والے کو تین سال کی جیل کا حکم سنا دیا۔

مگر میں اب تک یہ نہیں سمجھ پایا کہ Triple والے کو تین سال سزا But ون طلاق بے گناہ! What Is? یہ وشواس ہے یا وشواس گھات؟ ہم تو پوچھیں گے۔ ایک شخص نے کسی کے سینے پر ایک گولی چلائی اور کام تمام۔ دوسرے نے پہلے پیر پر گولی ماری، پھر دوسرے مہینے میں ہاتھ زخمی کیا، تیسرے ماہ گولی سے ختم کیا۔ پہلے کو بیل دوسرے کو جیل۔ یہ کس Design کا انصاف ہے۔

خیر فی الوقت ہم سپریم کورٹ کے فیصلے کا سلام سے سواگت کرتے ہوئے قرآن کے فالورس کو Triple کی حکمت قرآن ہی سے بتائیں گے۔ و باللہ التوفیق۔

## نکاح انسان کی ضرورت ہے اور طلاق مجبوری:

اس لیے بانی اسلام علیہ السلام نے نکاح کو پسند کیا۔ اور Divorce کو ناپسند ومکروہ بتایا۔

**نوٹ:۔** جس طرح مذہب اسلام میں طلاق کا Option ہے دیگر مذاہب میں بھی طلاق کا قانون داخل ہے۔ لہذا کوئی دھرم طلاق کے قانون سے خالی نہیں۔ مذہب اسلام نے شادی کو خانہ آبادی کہہ کر لوگوں کو نکاح کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ اللہ سے ڈرتے رہنے کی بار بار تاکید فرمائی۔ اور خاص کر یتیم لڑکیوں کے نکاح کا ذکر فرمایا۔ (سورہ نساء کی ابتدائی آیات کا مکمل خلاصہ) پھر اگر نکاح کے بعد بیوی کی طرف سے زیادتی نظر آئے تو Step by Step تاکید وتنبیہ کا حکم دیا۔ اور سدھار آنے کے بعد مردوں کو زیادتی کرنے سے منع فرمایا۔ (النساء ۳۴)

اور مرد کی طرف سے زیادتی ہونے لگے تو میاں بیوی کی آپس میں

(حکمت کے ساتھ) صلح کریں کہ صلح ہی بہتر ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے۔ تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح خوب ہے اور دل لالچ کے پھندے میں ہیں اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔ (کنزالایمان)

"اور اے لوگو (اس کے باوجود اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑوں کا خوف ہو تو Compermise کے لیے دونوں طرف کے رشتہ داروں میں سے وکیل مقرر کرو تاکہ صلح ہوجائے۔ (النساء ۳۵)

**پوائنٹ نوٹ کیا جائے:** پنچوں کو میل ملاپ کا اختیار ہے گا Divorce کا کوئی Right نہیں۔ (خزائن العرفان)

اس کے باوجو میل ملاپ کی کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر آخری مجبوری طلاق ہے تاکہ Tension میں قتل یا خودکشی کی نوبت نہ آئے ورنہ شادی خانہ آبادی بربادی بن جائے گی۔ یہ ہے طلاق کے Matter میں مذہب اسلام کی حکمت۔

### اسلام اور Triple طلاق:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہیں حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی لے یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (کنزالایمان)

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لیے۔ (کنزالایمان)

طلاق دو بار تک ہے پھر اگر اس کے بعد طلاق دیا تو وہ عورت اس کے لیے جائز نہ ہوگی۔ Please Excuseme

Triple۔ طلاق کا Back Ground دیکھیے:

اور میں کہتا ہوں کسی بھی معاملے کی جانچ میں جب تک پس منظر نہ دیکھا جائے قیامت تک کوئی صحیح فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس ضروری نہایت ہی ضروری تمہید کے بعد سورہ بقر کی Triple طلاق والی دونوں آیتوں کو دیکھیے تاکہ Triple طلاق کے اندر اسلام کے ناری سمّان کی شان نظر آئے۔ طلاق دو بار ہے۔ پھر ان دو کے بعد طلاق دے تو واپسی کا کوئی Chance نہیں۔

**شان نزول:** ایک عورت نے سید عالم ﷺ کے پاس Complain کی کہ اس کے شوہر نے کہا ہے وہ مجھے طلاق دیتا رہے گا۔ اور واپس لیتا رہے گا۔ اسی طرح عمر بھر عورت کو سڑاتا رہے گا۔ اس پر اللہ نے Order فرمایا کے طلاق کے بعد واپس بلانے کا دو بار Right ہے۔ تیسری طلاق کے بعد یہ Chance ختم ہوجائے گا۔ (خزائن العرفان)

بتاؤ بتاؤ! تمہیں تمھارے دھرم کے مان سمان کی قسم Triple طلاق میں ناری کے سمّان کی کیا شان ہے۔ لہذا Triple طلاق کے قانون میں جو خوبی ہے وہ ایک طلاق کے قانون میں نہیں۔

اور معانی کے سمندر پر الفاظ کا لباس تنگ ہے۔ ہاں! عقل نہ ہو تو بندہ مجبور ہے۔ اور انصاف ملیں تو انکھیارا بھی کور ہے۔

**پوائنٹ نوٹ کیا جائے:** حضرت عمر فارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین طلاق دینے والے کو سزائیں دیں مگر اس لیے نہیں کہ تین طلاق کوئی چیز نہیں بلکہ اس لیے سزادی ہے کہ جب تمھارا کام دو میں چل رہا تھا تو تین تک کیوں پہنچے، بشرطے کہ روایت صحیح ہو۔ ورنہ تین طلاق کا ذکر خود قرآن میں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی تحریر سے معلوم ہوا۔ از: مفتی غلام مصطفیٰ، مراٹھ واڑہ، مہاراشٹر

## مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ۳۳؍ برس بعد حاضری کی سعادت

اخی المحترم ذوالمجد والکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ مبارک؟

یکم نومبر ۲۰۱۶ء میں سیدی، استاذی الکریم محدثِ جلیل حضرت علامہ

عبد الشکور صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی علالت کی خبر سن کر الہ آباد گیا، اس وقت حالت بہت نازک اور تشویش ناک تھی۔ حضرت اقدس کے حالات و دینی خدمات کے تعلق سے تاریخی حیثیت سے کچھ جاننا چاہا تو حضرت نے بڑی ہمت کی، اپنے مسافر غلام کی خواہش رد نہ فرمائی، اثبات میں جواب دیا۔ میں نے حضرت کی صحت کا خیال رکھتے ہوئے بہت احتیاط کے ساتھ کچھ ایسی باتیں دریافت کیں جن سے ذہن پر کوئی دباؤ اور طبیعت پر کوئی گرانی نہ ہو۔ انھیں باتوں کو اپنی کوتاہ قلمی کے احساس کے ساتھ غلامانہ جذبہ کے تحت رقم کیا ہے۔ اگر مزاجِ مبارک قبول فرمائے، زہے عزو شرف۔

برادرم! چند چیزوں سے مجھے بہت اکتاہٹ اور کوفت ہوتی ہے، سفر سے، بے جا القاب اور بے وقت چائے سے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ۳۳؍ برس بعد ۲؍ نومبر ۲۰۱۶ء کو استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب مبارک پوری علیہ الرحمہ کی خبرِ علالت سن کر الہ آباد سے مبارک پور حاضر ہوا۔ آپ یقین فرمائیں کہ مبارک پور حاضر ہونے سے پہلے میرے ذہن میں جو احساسات اور انحطاط پیدا ہو رہے تھے، وہ یہ کہ: میں اگرچہ الجامعۃ الاشرفیہ کا نمک خوار ہوں، مگر میں ایک گم نام آدمی، میری اپنی کوئی لیاقت و شہرت نہیں، مجھے وہاں کون جانے پہچانے گا، اگر جامعہ کے مہمان خانہ میں قیام کی آرزو کروں تو میری خام خیالی ہوگی کہ "مان نہ مان میں تیرا مہمان"۔ اگر گولہ بازار اشرفیہ کی نئی بلڈنگ میں جاؤں، جہاں پرانی بلڈنگ میں سات سالہ شب و روز گزارے تو کوئی یہ نہ کہہ دے کہ جناب! آپ کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے، ہم آپ کو نہیں جانتے۔ بہر حال افکار و خیالات کی وسیع دنیا میں سیر کرتے کرتے علی نگر کی مسجد پہنچ گیا، جہاں ۱۹۸۳ء میں فضیلت کے آخری سال ۱۰؍ ماہ امامت کر چکا تھا، ذہنی طور سے وہیں ٹھہر گیا، وہاں میرے ایک دیرینہ ہم سائے، ہمراز، ہم مزاج صوفی یٰسین صاحب تھے۔ ان کے یہاں اقامت کے لیے طے کیا۔ اب تک یہ خیال اور ذہنی سفر تھا، مگر واقعی خارجی سفر کر کے صوفی یٰسین صاحب کے مہمان خانہ میں پہنچ گیا۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہوا تو معلوم ہوا کہ کافی لوگ مہمان خانہ میں جمع ہو گئے ہیں، سلام و مصافحہ ہوتا رہا، دیکھا کہ ۳۳؍ سال کے جوان بوڑھے ہو گئے ہیں، بوڑھے دوسری دنیا سدھار لیے ہیں، نوجوانوں سے معلوم کیا کہ آپ لوگ مجھے پہچانتے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ آج صبح سے یہ خبر محلہ میں گشت کر رہی تھی کہ ممبئی کے ایک مولوی صاحب جو یونیورسٹی میں پڑھتے تھے، علی نگر مسجد کے پہلے امام تھے، وہ آج آرہے ہیں، لہٰذا ہم آپ سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔ عشاء کی جماعت ہوئی، کھانا کھایا گیا، پھر پورا مہمان خانہ بھر گیا، ان میں ہمارے احباب علما و حفاظ بھی تھے، رات میں ۱۲؍ بجے مجلس برخواست ہوئی۔

(استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب علیہ الرحمہ ہر سال عید کے دوسرے روز میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے، اپنی اولاد کی طرح اس غلام اور غلام زادوں سے محبت فرماتے، عیدی کا لین دین ہوتا، مادرِ علمی کے لیے حسبِ حیثیت کچھ پیش کرتا، معاملات میں مشورے لیتا، نیک مشوروں کو حرفِ آخر سمجھتا۔ کبھی کبھی فرماتے: مولوی عبد المجید! ممبئی میں میرے سیکڑوں شاگرد ہیں، مگر آپ کی سعادت مندی مجھے عید کے دوسرے روز بھیونڈی سے یہاں لے آتی ہے، آپ اپنے یہاں ہر سال بلاتے ہیں، ہمارے یہاں نہیں آتے ہیں، اب اگر آکر دیکھیں گے تو طبیعت خوش ہو جائے گی، علم و فن کا ایک شہر آباد ہو گیا ہے۔)

صبح نماز و ناشتہ کے بعد تیز سواری سے دائیں بائیں نگاہیں دوڑاتا ہوا اس راستہ سے گزر رہا تھا جس سے روزانہ چار مرتبہ گزرتا تھا، اس راستہ کے پیڑ پودوں اور پتھروں سے محبت ہو گئی تھی، اس وقت مجھے امرأ القیس کے اشعار یاد آرہے تھے۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے خوب صورت مرکزی دروازے پر جا پہنچا، شارعِ حافظ ملت سے سیدھا آستانۂ حافظِ ملت پر حاضر ہوا، بڑے اخلاص کے ساتھ ایصالِ وفیض کا سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا، دیکھا کہ طلبہ ششماہی امتحان کی تیاری میں مزارِ حافظِ ملت کے اندر درسی کتابوں پر نظریں جمائے ہیں۔ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ اشرفیہ کے طلبہ پر تعلیمی نگرانی کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ اپنے والدین کی آرزوؤں، اساتذہ کی نیک خواہشات اور اپنے مستقبل کی نگرانی خود کرتے ہیں۔

عہدِ طالب علمی میں جس مجوزہ مسجد کا تصور ہمارے ذہن میں تھا آج وہ خارج میں الجامعۃ الاشرفیہ کی سطحِ زمین پر، بڑی وسیع و عریض، جدید صناعی، حسن و جمال کی تمام تر خوبیوں کے ساتھ نظر آرہی ہے جو ہر عابد و زائر کو دعوتِ نظارہ پیش کر رہی ہے۔ اس کے بعد جامعہ کی سینٹرل بلڈنگ میں جہاں اساتذۂ اشرفیہ علم و ادب اور فکر و فن کے موتی لٹاتے ہیں، داخل ہوا۔ مولانا احمد رضا مصباحی صاحب کے آفس میں استاذی حضرت مولانا نصیر الدین صاحب اور استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ سلام و دست بوسی کے بعد میں نے عرض کیا: حضرت! میں آپ کے مکان پر آپ کی عیادت کے لیے آنے والا تھا۔ فرمایا: میاں! قبر کے قریب پہنچ گیا تھا واپس آ گیا۔ سفر کا مقصد یہیں حاصل ہو گیا۔ ایک صاحب سے میں نے پوچھا کہ خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی سے بھی کچھ استفادہ کرنا چاہتا ہوں، کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ وہ دیکھیے (یونیورسٹی کے پورب) المجمع الاسلامی کی عمارت ہے، وہاں ملیں گے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، بڑی محبت و شفقت اور اپنائیت کے ساتھ انواع و اقسام کے میوے جات پیش کیے، یہ ایک عالم باعمل کی طرف سے میرے لیے "خوانِ نعمت" تھا۔ جی بھر کر کھایا، دینی مسائل پر گفتگو ہوئی، غایت محبت و شفقت سے رخصت کیا۔ ظہر کی اذان ہوئی، نماز ادا کی گئی، ہمارے ہم وطن فاضل نوجواں حضرت مولانا صدر الوریٰ صاحب استاذ جامعہ اشرفیہ ملے، جو ۱۲؍ بجے دن میں دعوتِ طعام دے چکے تھے، اپنے مکان کی طرف لے چلے، مچھلی یوں بھی مجھے مرغوب ہے، راستہ میں جس مچھلی کے کھلانے کا نام لیا اس سے مزید بھوک بڑھ گئی، جتنی رغبت سے کھاتے رہے اتنے ہی چاؤ سے علاقہ کے دینی و مذہبی مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ کھانے کے بعد اپنی ذاتی لائبریری دکھائی، اندازہ یہ ہوا کہ فاضل موقر ایک علمی شخصیت کے مالک ہیں، الجامعۃ الاشرفیہ ایسے ہیروں اور ہاروں کو اپنے گلے کی زینت بنا لیتا ہے۔

ایک مسافر کو جائے قیام و طعام حاصل ہو جائے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔ فاضل معزز نے فرمایا: قیلولہ کر لیجیے، میں نے سوچا یہاں آٹھ برس قیلولہ و لیلولہ سب کچھ ہو چکا ہے، اب وہ کیوں نہ دیکھیں جس کا وجود ۳۳/ برس قبل نہیں تھا۔ اب ہم دار القضا والافتا کی طرف چل دیے، دیکھا کہ ہماری جماعت کے ۶۲/ طلبہ میں سب سے ذہین و فطین اور قابل ترین عالمِ دین حضرت مولانا مفتی بدرِ عالم صاحب کتاب میں اتنے منہمک تھے کہ یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ کتاب پڑھ رہے ہیں یا کتاب انھیں پڑھ رہی ہے، بہر حال کسی کے آنے کی آہٹ پا کر نظر اوپر اٹھائی تو یہ فقیر سراپا تقصیر کھڑا تھا، سلام کیا، بڑے پر تپاک انداز میں سینہ سے لگایا، آج ایک زمانہ کے بچھڑے دو دوست ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں، اس وقت ان کی دلی کیفیات کی کیا حالت ہوگی، یہ وہی دونوں سمجھ سکتے ہیں، تھوڑی دیر تک مسند پر اپنی بغل میں بٹھائے رہے، اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشف کے ذریعہ معلوم کر لیا کہ میرا منشا کیا ہے۔ اٹھے، دار الافتا والقضا اور لائبریری کی عمارت کا گوشہ گوشہ دکھایا۔ بیرونی طلبہ کا دار الاقامہ (ہاسٹل)، اشرفیہ ہاسپیٹل اور پھر جنوب سے سیدھے شمال کی طرف لے چلے، جدید طرز کا خوب صورت مطبخ، جس میں لذیذ پکوان کی دیگیں قطار سے رکھی ہوئی تھیں، ڈائننگ حال اور اس کے لوازمات بڑے سلیقے و قرینے سے نظر آ رہے تھے۔ صفائی ستھرائی اور نظافت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

محب محترم مفتی بدرِ عالم صاحب ازہرِ ہند کی درس گاہ کی مرکزی عمارت میں ساتھ لیے داخل ہوئے، دیکھا کہ سراج الفقہا، حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ اپنی تحقیق میں مصروف ہیں، سلام و دست بوسی کے بعد اپنا قیمتی وقت قدرے تفصیلی ملاقات کے لیے دیا، کئی بار شام کو کھانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ: جامعہ اشرفیہ کے مہمان خانہ میں قیام کرنا چاہیے تھا، آپ دوسری جگہ کیوں ٹھہرے؟

عصر کی اذان ہوئی، نماز کے بعد مسجد میں اساتذۂ کرام کی مقدس جماعت مل گئی، یکے بعد دیگرے مصافحہ و معانقہ اور تعارف ہوتا رہا۔ اتنے میں برادرِ گرامی حضرت مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی استاذ و مدیر اشرفیہ مسکراتے ہوئے نظر آئے، ان کی ایک مسکان، جس پر ہزاروں جانیں قربان، بڑے خوشگوار موڈ میں مسجد سے باہر نکلے، چند لمحوں میں دو کتابیں "افتراق بین المسلمین کے اسباب" اور "شہرِ خموشاں کے چراغ" لے کر جلوہ بار ہوئے، ہدیۃً دیا، "شہرِ خموشاں کے چراغ" کا وہ حصہ جو حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ کی جمشید پور میں مسلک کے لیے جاں سوزی اور قربانیوں سے متعلق ہے، اسے کئی بار پڑھا اور وہ ہم عالم کو فراغت کے بعد پڑھ لینا چاہیے۔ آپ کے قلم سے ایک تاریخی تذکرہ جمع ہوا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کل جب کوئی مورخ لکھنا چاہے گا تو اس دور کے علما کی مختصر تاریخ مل جائے گی۔ اللھم زد فزد.

بعد نمازِ عصر علمائے اشرفیہ کی نورانی جماعت دار الحدیث کے سامنے "حدیقۃ الجامعہ" میں جلوہ افروز ہوتی ہے، جہاں بہت مہذب، شائستہ اور علمی گفتگو ہوتی ہے، مجلس پر بہجت و سرور کی کیفیت اور مصباحی رنگ طرز غالب رہتا ہے۔ ڈھائی سال ہو گئے، اب محسوس ہوتا ہے کہ مجلس حضیرۃ العلما سے کل ہی اٹھ کر آیا ہوں۔ کاش یہ مجلس پھر نصیب ہوتی۔

مغرب کی اذان ہوئی، قال اللہ و قال الرسول کا درس دینے والے علما و طلبہ کی نورانی صفوں میں نہایت خشوع و خضوع اور طمانیت کے ساتھ نماز ادا کی، بعدہ سراج الفقہا مدظلہ کے صاحب زادے اپنی سواری پر لیے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ سیدی استاذی بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب اعظمی علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث و صدر مدرس جامعہ اشرفیہ کے مزار پر حاضری کی دیرینہ خواہش تھی، آج وہ بھی پوری ہوئی۔ کچھ دیر تک متوجہ الی شیخ الجامعہ رہا، رقتِ قلب کے ساتھ واپس ہوا۔

اب سیکڑوں ارمان لیے جاگیر پر اپنی اس ماں سے ملاقات کے لیے پورہ رانی کی طرف بڑھا، جنھوں نے آٹھ برس میں سیکڑوں بار یہ کہا: مولوی صاحب! ہمرے تین لڑکے ناہیں ہیں، چار ہیں، چوتھے توں ہو۔ حقیقی ماں جیسا پیار دیا تھا، صرف دودھ نہیں پلایا تھا بقیہ شفقت و پیار کے ساغر میں مجھے نہلا دیا تھا۔ پہنچتے ہی سلام کے بعد میں نے پوچھا: اماں کہاں ہیں؟ بتایا کہ ۲۸/ برس ہو گئے ان کا انتقال ہو گیا۔ اماں نے بہت خوب صورت سوئیٹر آپ کے لیے بنوا کر رکھا تھا کہ مولوی صاحب جب حافظ صاحب کے عرس میں آئیں گے تو میں دوں گی۔ پانچ برس تک رکھے انتظار کرتی رہیں پھر انتقال کر گئیں، جب تک وہ زندہ رہیں آپ کے خط کا جواب لکھواتی رہیں، اس کے بعد وہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، اب معلوم ہوا کہ میرے اوپر بجلی گر گئی ہے، مجھے بڑا صدمہ ہوا، دن بھر جو خوشیاں ملی تھیں وہ رات کو غم میں بدل گئیں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کو "باغِ فردوس" کے فرزندوں کی خدمت کے صلے میں جنت الفردوس عطا فرمائے۔

خیال رہے کہ یہ پیار و محبت اہلِ مبارک پور نے کسی شخص واحد کو نہیں بلکہ ہزاروں مصباحیوں کے دامن میں انڈیل کر وہاں سے رخصت کیا ہے۔ سخاوت و فیاضی، علما و طلبہ نوازی کوئی اہلِ مبارک پور سے سیکھے۔

وقت کافی ہو چکا تھا، اب موجودہ دور کے ایک عظیم محقق، فقیہِ اعظم کے دانش کدہ میں داخل ہوا۔ آپ منتظر تھے۔ آپ کے صاحب زادہ میرے ساتھ تھے اس لیے آپ مطمئن تھے۔ دستر خوان چنا گیا، میری عادت ہے کہ رات کا کھانا ہلکا اور کم کھاتا ہوں، مگر آج خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ دعوتیں تو ڈالروں اور پونڈ کے بڑے بڑے ملیونروں کے یہاں کھائیں مگر وہ بات نہ پائی جو رسول اللہ ﷺ کی امت کے ایک فقیہ کے یہاں ملی، جو اکل حلال کھاتا ہے اور شب و روز اسی کی دعوت دیتا ہے، ایسوں کا خوانِ نعمت اگر میسر آ جایا کرے تو دل نور سے معمور ہو جائے، کچھ دیر تک جامعہ کے حالات و معاملات پر گفتگو ہوتی رہی، رخصت ہوتے وقت "نعمت علی النعمت" اپنی تصنیفات عطا فرمائیں اور صاحب زادہ سے فرمایا، ان کو علی نگر قیام گاہ پر چھوڑ آؤ، یقیناً ان کی

عنایتیں اور نوازشیں مجھے ہمیشہ یاد رہیں گی۔

گھڑی کی سوئی ۱۲/ سے کافی آگے بڑھ چکی تھی، قیام گاہ پر پہنچا تو مہمان خانہ مکمل بھرا ہوا تھا۔ کل رات سے آج زیادہ اژدہام تھا، میں سوچ میں پڑ گیا کہ میں وہی عبدالمجید ہوں جو ۳۳/ سال قبل یہاں کا طالب علم رہ چکا ہوں۔ یہ پزیرائی، جلیل القدر علما و مشائخ کو ملتی ہے، محبین و متعلقین سے بڑے خوشگوار انداز میں باتیں ہوتی رہیں۔ رات ڈھل چکی تھی، لوگ مصافحہ و معانقہ کر کے رخصت ہو رہے تھے اور زبان پر یہ جملے تھے ”اب جلدی آئیے گا، حافظِ ملت کے عرس میں ضرور آئیے گا اور علی نگر میں ٹھہریے گا“۔

علماے اشرفیہ اور اہلِ مبارک پور نے اپنی اپنی محبتوں کی اتنی سوغات میرے دامن میں بھر دی تھی کہ مجھے انتہائی خوشی کی بنا پر رات بھر نیند نہیں آئی، میں سوچتا رہا کہ کن ناامیدیوں کے اندھیرے میں گھر سے چلا تھا اور یہاں تو ہر طرف امیدوں اور محبتوں کے چراغ ہی چراغ نظر آرہے ہیں۔

فجر کی جماعت میں رفیقِ صمیم حضرت مولانا محمد محبوب عزیزی صاحب مبارک پوری نظر آئے، بڑی محبتوں سے گلے لگایا، علی نگر کی مسجد جو تعمیرِ نو کے ساتھ سنگ مرمر کا اُجلا لباس پہن کر کھڑی تھی، جو نہایت حسین و جمیل نظر آرہی تھی، اسے نیچے سے اوپر تک دکھایا، پیکرِ اخلاص حضرت علامہ محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ سابق شیخ الادب و ناظمِ تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ کے مزار پر حاضر ہوئے، فاتحہ پڑھ رہے تھے، آنکھیں بند تھیں، ان کی شفقتیں اور عنایتیں ذہن میں نمودار ہو رہی تھیں، ان کا بند اور نمناک آنکھوں سے مشاہدہ ہو رہا تھا، واپسی پر رفیقِ محترم نے مبارک پور کے خاص حلوہ سے ضیافت فرمائی۔ در حقیقت اہلِ عرب کی مہمان نوازی اور اہلِ مبارک پور کی فیاضی اور علما نوازی ان کا خاص وصف ہے۔

اہلِ محبت کی محبتوں کا تسلسل ابھی بھی ختم نہ ہوا، مراجعت کے وقت حضرت مولانا مسعود احمد صاحب، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ نے اپنی گاڑی مع ڈرائیور بھیج دی، انھوں نے میرے سفر کی مشکلات کو آسان کر دیا۔ علی نگر کے جوانوں نے جین پور تک آکر حسین تصورات اور تاثرات کے ساتھ رخصت کیا۔

برادرم! یہ جو کچھ صفحات پر نقش نظر آرہے ہیں یہ میری دلی کیفیات اور باطنی احساسات کا عکس ہے۔ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب علیہ الرحمہ کے صاحب زادہ کے بدست آپ کے لیے دو کتابیں ”مخدوم مہائمی اور صوفیہ کا مسلکِ وجودی“ بھیجی تھی، امید ہے کہ دستیاب ہوئی ہوں گی۔ بندہ طالبِ خیر مع الخیر ہے، علماے کرام کی خدمت میں سلام عرض کریں، سعادتِ دارین، خاتمہ بالخیر اور علمِ نافع کے لیے دعا فرمائیں:

عبدالمجید خان قادری مصباحی
اندھیری ایسٹ، ممبئی: ۳۰

**(ص: ۱۵/ کا بقیہ)**... وزیر داخلہ امیت شاہ نے بل پر بحث کے دوران یہ کہا کہ اس کے سیاسی استعمال کے خدشہ کو ختم کر دیا گیا ہے انھوں نے کہا کہ کسی مخصوص فرد کو غیر قانونی سرگرمیوں (روک تھام) کو قانون کے دائرے میں لا ناضروری تھا وغیرہ وغیرہ۔ آزادی کے ستر سالوں کے بعد بھی آج تک کسی بھی حکومت نے دہشت گردی کی اصطلاح (وہ لفظ جس کے کوئی خاص معنی کسی جماعت نے مقرر کر لیے ہوں، (phrase نہ حکومتوں نے طے کی اور نہ ہی کسی تنظیم نے، وہی کام سخت گیر عناصر کریں تو دہشت گرد نہیں، دیش دروہی نہیں وہ قانون سے بالاتر لیکن وہی کام کمزور اقلیتیں، یا مسلمان کریں تو قابل مواخذہ۔

(حب الوطنی کے معنی اور دیش پریم کے معنی بدل گئے ہیں۔ جو کوئی حکمراں پارٹی کے خلاف بولتا ہے وہ غدار وطن کہلاتا ہے اور دیش دروہی کہلاتا ہے۔ آپ کریں تو ثواب ہم کریں تو گناہ؟ یہ طاقت کا زعم ہے، کانگریس کو بھی ناانصافی، اور طاقت کے زعم نے ڈبو دیا آگے اللہ کی قدرت کا تماشہ ہم نہیں تو آنے والی نسل دیکھے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دہشت گردی مخالف قانون ۲۰۱۹ میں انٹلی جینس اور سیکوریٹی ایجنسیوں کو لامحدود اختیارات تو دے دیے گئے ہیں، کیا گارنٹی ہے کہ اس کا غلط استعمال نہیں ہوگا، ابھی جو اختیارات ہیں انھیں کا انتہائی غلط استعمال ہو رہا ہے کٹھوا گینگ ریپ آصفہ کا اور اس طرح کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ اس طرح کے قانونوں سے سیکڑوں نہیں ہزاروں لوگوں اور خاندانوں کی زندگیاں تباہ ہو چکی ہیں اللہ خیر فرمائے، اس مین لکھنے والوں کو بھی بہت سی شقوں کے دائرے میں لایا گیا ہے اب مظلوم فریاد کے لیے بھی کچھ نہیں لکھ سکتا کیا یہ نیت کا کھوٹ نہیں؟

ہم ارباب حکومت سے گزارش کرتے ہیں سب کے ساتھ انصاف کریں اور تمام مسلمانوں کو اپنے اعتماد میں لیں ”راج دھرم“ کا پالن کریں جس کی نصیحت بی جے پی کے لیڈر اور سابق پرائم منسٹر آنجہانی اٹل بہاری باجپئی نے مسٹر مودی کو گجرات میں دی تھی، اب کچھ لکھتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے خدا نہ کرے کہ کبھی کوئی مصیبت آئے اپنے قارئین سے گزارش پیش کرتے ہیں، مدد کی ضرورت پر اکیلا تنہا نہ چھوڑیں ضرور مدد کریں گے۔ تمام مسلمانوں سے گزارش کرتے ہیں اپنے بچوں پر کڑی نظر رکھیں ان کو حالات کی خرابی کا احساس دلاتے رہیں اور ملک کے قانون کی حفاظت اور اس کے دائرے میں رہنے کی تلقین کرتے رہیں اللہ ہم سب کو سمجھ اور عمل کی توفیق دے آمین ثم آمین۔ ☆☆☆

# خیر و خبر

## مسلمان علم وعمل کے میدان میں اپنی منفرد شناخت بنائیں

### محلہ علی نگر میں منعقد جلسہ شہدائے کربلا سے مولانا مبارک حسین مصباحی کا خطاب

اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں فرماتا ہے تم گمان نہ کرو کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیے گئے وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کی طرف سے انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ شہیدوں کو مردہ کہنا تو دور کی بات ہے بلکہ تم انہیں مردہ تصور بھی نہ کرو۔ یہ محرم الحرام کا مہینہ ہے دس محرم کو کربلا کی سرزمین پر نواسۂ رسول ﷺ کو ظالم یزیدیوں نے شہید کیا مگر سچائی یہ ہے کہ وقتی طور پر بظاہر یہ لگا تھا کہ یزید کامیاب ہو گیا مگر حق اور سچ یہ ہے کہ یزید اور اس کے حامی ہمیشہ کے لیے مر گئے اور شہیدِ اعظم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گئے۔ اکیسویں صدی عیسوی میں آپ کو کروڑوں "حسین" مل جائیں گے مگر دنیا کے کسی گوشے میں "یزید" نام کا ایک فرد بھی نہیں ملے گا۔

ان خیالات کا اظہار مفکر اسلام مولانا مبارک حسین مصباحی نے محلہ علی نگر میں منعقدہ جلسہ شہدائے کربلا سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ مولانا موصوف نے مزید کہا کہ کربلا دسویں محرم کا ایک یادگار اور درد و غم سے لبریز حادثہ ہے۔ مولانا نے کہا کہ کربلا حق و باطل کی جنگ تھی۔ آخر میں فرمایا: کہ آج دنیا کے حالات پر نگاہ ڈالیے ہر طرف کربلائی مناظر ہیں۔ یمن ہو یا ملک شام، سعودی عرب ہو یا برما، فلسطین ہو یا افغانستان ہر طرف یزیدیت آگے بڑھ رہی ہے۔ مسلمان عام طور پر بے عملی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ مسلسل بدامنی اور بے چارگی سے دوچار ہیں، تعلیم و تحقیق کے میدان میں بھی مسلمان دنیا میں اپنی ایک شناخت رکھتے تھے مگر اب انہیں اکثر جہالت اور گندگی کی شناخت کے ساتھ پہچانا جا رہا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ مسلمان آگے بڑھیں علم و عمل کے میدانوں میں اپنی منفرد شناخت بنائیں۔ حسینی ہونے کا نعرہ لگانا تو آسان ہوتا ہے مگر حقیقی معنوں میں حسین بننا بڑا مشکل ہے۔

مولانا ظہیر احمد مصباحی استاذ عزیز العلوم اعظم گڑھ نے بھی خطاب کیا۔ مجلس کا اختتام صلوٰۃ و سلام اور مولانا محبوب عزیزی کی دعا پر ہوا۔

جلسہ کی صدارت حضرت مولانا محمد محبوب عزیزی اور نظامت قاری محمد اعظم نے کی۔ جلسہ کا آغاز قاری محمد اعظم عطاری کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ بعدہ قمر الہدیٰ عطاری، زبیدہ عطاری اور محمد فاروق نے نعت و مناقب کے نذرانے پیش کیے۔ اس موقع پر محمد اشرف، محمد عالم گیر، مطیع اللہ، حافظ محمد حنظلہ اور حافظ محمد رضا سمیت کثیر تعداد میں لوگ موجود تھے۔ (روزنامہ انقلاب، بنارس، ۷؍ستمبر ۲۰۱۹ء)

از: رحمت اللہ مصباحی

## امام حُسین رضی اللہ عنہ

### حق و صداقت کا روشن چراغ تھے

مولانا سید قمر اللہ شاہ قادری

بروز اتوار یکم ستمبر ۲۰۱۹ء، امام احمد رضا مومنٹ کے زیر اہتمام منعقد محفل نوری میں حضرت علامہ مولانا سید قمر اللہ شاہ قادری نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ! سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی وہ مشہور و معروف عظیم المرتبت شخصیت تھی، چودہ سو سال سے ہر سال عوام و خواص کے دلوں میں جن کی یاد تازہ ہوتی جاتی ہے دوشنبہ کا دن ۳ شعبان المعظم ۴ھ کو حضرت حسین حضرت فاطمہ خاتون جنت بنت رسولِ اعظم محمد عربی ﷺ کے بطن مبارک سے حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے گھر میں پیدا ہوئے آپ کی ولادت مسعود سے قبل حضرت حارث کی بیٹی رضی اللہ عنہا رسول پاک صاحب لولاک ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میں نے ایک بہت ہی بھیانک خواب دیکھا ہے جس کو دیکھ کر میرا دل دھڑک نے لگا اور میرے جسم کا رونگٹا رونگٹا کانپنے لگا، حضور اقدس نے فرمایا: بتاؤ تم نے کیا دیکھا؟ تو انہوں نے کہا: میری زبان حرکت نہیں کر رہی ہے کہ اس خواب کو بیان کروں تو سرکار کے نہایت اصرار پر کہا کہ خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے جسم اطہر سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا یہ سن کر

رسول اکرم نے فرمایا یہ کوئی خوف ناک یا بھیانک خواب نہیں ہے یہ تو مبارک خواب ہے کہ میری لخت جگر دل کا سرور فاطمہ سے لڑکا پیدا ہوگا اور تم اسے اپنی گود میں کھلاؤگی ایسا ہی ہوا سیدنا امام حسین پیدا ہوئے پھر بعد میں بنت حارث کے گود میں ڈالے گئے وہ امام المرسلین تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر جلوہ فرما ہونے والے آقا اپنے لاڈلے حسین کے لیے کتنے رحیم و کریم اور کتنا شفقت محبت اور پیار نہ کرتے ہوں گے۔ سات سال کی عمر تھی کہ آپ کے نانا جان رسول پاک پردہ فرماگئے حضور کا وصال ہو گیا پھر چند ہی مہینے گزرے تھے کہ والدہ محترمہ کی شفقت و رحمت سے بھی محروم ہوگئے آپ کی تربیت و پرورش کی ساری ذمہ داری آپ کے والد ماجد مولائے کائنات علی مرتضٰی پر رہی، امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حسنین کریمین ان دونوں بھائیوں سے نہایت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے عہد خلافت میں حسن وحسین کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے جب قیصر و کسریٰ کی فتوحات کی وجہ سے خزانے مدینہ میں آنے لگے تو روپیہ کی نہایت ریل پیل ہونے لگی، فاروق اعظم نے سب مسلمانوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا، دوسروں کو جہاں دو ہزار سالانہ فی کس ملتے تھے وہاں حضرت حسین کو پانچ ہزار سالانہ کا عطیہ ملتا تھا۔ امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی اسی طرح برابر عطیات ملا کرتے تھے امیر المومنین حضرت مولا علی شیر خدا کی شہادت کے بعد سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت سے دستبردار ہوکر حضرت امیر معاویہ کو حکومت سونپ دی امیر معاویہ نے کوفہ کے خزانے سے پچاس لاکھ درہم عطا فرمادیے، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً لاکھوں کے عطیات ملا کرتے، سیدنا حسن و سیدنا حسین سخاوت میں بے مثل و بے نظیر تھے جو بھی آپ کو ملتا وہ مستحقین میں خرچ کردیتے تھے، عبادت الٰہی میں ہمہ تن مشغول رہا کرتے تھے امام حسن کی شہادت یعنی بڑے بھائی صاحب کی شہادت کے بعد سیدنا امام حسین بڑی ہی شان وشوکت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے آپ آغوش رسول کے تربیت یافتہ، چمن مصطفٰی کا مہکتے ہوئے پھول تھے، اللہ کی عبادت اور ذکر واذکار میں شب وروز رہا کرتے تھے، امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید اسلامی سلطنت کا فرماں روا امیر المومنین بن بیٹھا تو آپ نے اس کے خلاف آواز بلند کی، ایک فاجر و فاسق مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ ہرگز نہیں ہوسکتا، اسلامی سلطنت کے حدود میں ہزاروں متقی، پرہیزگار، خوش اخلاق، نیکوکار، ایماندار، مسلمان رہنماؤں کے ہوتے ہوتے ہوئے ایک بدعمل، بداخلاق، سیاہ کار، مسلمانوں کا امیر یا خلیفہ ہو نہیں سکتا، آپ کے اس اعلان حق پر یہ دشمن اہل بیت رسول چراغ پا ہوگیا، آپ کا جانی دشمن بن کر بائیس ہزار کا لشکر خونخوار ناہنجار بھیج کر آپ کو آپ کی اولاد وامجاد، آپ کے بھائی کی اولاد اور مکرم بہن کے محترم بیٹوں کو شہید کردیا۔ سیدنا امام حسین دشمنوں کے لشکر سے گھبرائے نہیں بلکہ خوشی خوشی اپنی جان قربان کردی، اپنا گھربار راہ حق میں لٹاکر قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ پیغام دے دیا کہ راہِ حق میں سر کٹادو مگر فاسق کی اطاعت قبول نہ کرو۔ آخر میں سلام و دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔

از: ناظم نشرواشاعت، امام احمد رضا مومنٹ، بنگلور

## ذکرِ شھدائے کربلا

مبارک پور اعظم گڑھ. آج دس محرم الحرام ہے آج ہی کے دن کو عاشورۂ محرم بھی کہتے ہیں اسلام میں اس دن کی بڑی فضیلت ہے انبیائے کرام کی زندگیوں میں عاشورہ محرم میں بڑے تاریخی واقعات پیش آئے آج کے دن رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نفلی روزہ رکھنے کا بھی حکم فرمایا آپ اس دن کے ساتھ ایک اور روزہ رکھنے کا حکم بطور استحباب بھی فرمایا تاکہ مسلمانوں کا روزہ یہود و نصاری سے ممتاز ہو جائے، عاشورہ محرم کی دعائیں اور نفل نمازیں بھی ہیں۔ اس دن پوری دنیا کے مسلمان المناک حادثہ کربلا کے ذکر کی محفلیں سجاتے ہیں، روزے رکھتے، دعائیں پڑھتے اور نفل نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں ان ہم مسائل وفضائل کو حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ نے محلہ پرانی بستی مسجد غوثیہ کے صحن میں منعقدہ ”ذکر شہدائے کربلا“ کی مجلس میں بیان فرمایا۔ آپ نے فلسفہ کربلا کو بیان کرتے ہوئے یزید پلید کی بیعت کے تعلق سے رخصت وعزیمت پر بھی روشنی ڈالی اور شرعی دلائل کے ساتھ دونوں کے جواز پر بھی علمی دلائل پیش فرمائے۔ آپ نے اپنے بیان میں معرکہ کربلا کے خونی مناظر بھی سامعین کے سامنے پیش کیے۔ آپ نے حضرت حُر، حضرت عبد اللہ بن عمیر کلبی، حضرت عون و محمد، حضرت قاسم، حضرت عباس علمبردار، حضرت علی اکبر، حضرت علی اصغر کی شہادتوں

پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی۔ بیان کے آخر میں میں امام عالی مقام شہید اعظم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قربانی دینے کے مجاہدانہ انداز کو بیان فرمایا۔ جب آپ گلوگیر لب ولہجہ میں ان کی شہادت کا ذکر فرمارہے تھے تو پورا مجمع آہ وبکا میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضرت شہید اعظم کے سر مبارک پر ناناجان کا عمامہ شریف تھا، ہاتھ میں حضرت علی شیر خدا کی ذوالفقار تھی، جب کہ والدہ ماجدہ سیدہ کائنات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دوپٹہ شریف تھا، زخموں کی تاب نہ لاکر جب آپ اپنے گھوڑے سے زمین پر آگئے تو عمر بن سعد ملعون نے سر قلم کرنے کے لیے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر اس کا بدن اور ہاتھ کانپنے لگا نیزہ ظالم کے ہاتھ سے گر گیا، شمر لعین آگے بڑھ کر آپ کے سینہ مبارک پر سوار ہو گیا آپ نے اس قاتل سے دریافت فرمایا آج کون سا دن ہے؟ اس نے کہا جمعہ ہے۔ فرمایا: ابھی وقت کیا ہو گا اس نے کہا نماز جمعہ کا وقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے سینے سے اتر جا مجھے اپنے رب کی بارگاہ میں آخری سجدہ تو کر لینے دے۔ آپ نے اپنے خون سے وضو فرمایا جیسے ہی اپنی پیشانی بارگاہ الٰہی میں جھکائی ظالم نے آپ کے سر مبارک کو تن سے جدا کر دیا اور حضرت شہید اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخموں سے چور سجدے کی حالت میں شہادت کی منزل پر فائز ہو گئے۔

حسین ابن علی اور موت ایسا ہو نہیں سکتا
شہید ناز کو نیند آگئی آغوش خنجر میں

پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا بعدہ نعت پاک کا نذرانہ پیش کیا گیا جلسہ کا اختتام صلوۃ وسلام اور مولانا الحاج محمود احمد مصباحی استاذ الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ سکھٹی۔ کی دعا پر ہوا۔ اس موقع پر حافظ اخلاق احمد ماسٹر انیس احمد سمیت کثیر تعداد میں معزز سامعین موجود تھے۔

## مسجد بلوریا پورہ صوفی میں دوسرا اجلاس

اسی طرح مدرسہ ہاشمیہ اشرفیہ ایجوکیشنل سوسائٹی محلہ پورہ صوفی کے زیر اہتمام جامع مسجد بلوریا پورہ صوفی کے صحن میں منعقدہ سالانہ ذکر شہدائے کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پروگرام سے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے فلسفہ شہادت اور مابعد شہادت پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں منصب شہادت کو بیان فرمایا آپ نے دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن عظیم میں ارشاد رب العالمین ہے اے محبوب تم راہ خدا میں شہید ہونے والوں کو مردہ گمان بھی نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وہ نوازے جاتے ہیں۔ مولانا نے احادیث نبویہ اور تاریخ اسلام سے شہدائے کرام کے احوال اور شہادت کے بعد ان کی زندگیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر اقدس حیات ظاہری میں بھی سب سے بلند تھا اور شہادت کے بعد بھی یزیدیوں نے آپ کے سر اقدس کو نیزے پر اٹھا کر سب سے بلند کر دیا تھا۔ جب آپ کے سر اقدس کو لے کر آگے بڑھے تو حضرت کے لبہائے مبارک حرکت فرمارہے تھے توجہ سے سنا گیا تلاوت قرآن عظیم فرمارہے تھے۔ حضرت خطیب نے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے یہ شعر پیش فرمایا

نیزے پہ بریدہ سر مصروف تلاوت ہے
ارباب قلم لکھو مردہ ہے کہ زندہ ہے

اس کے بعد بھی آپ کے سر اقدس سے کرامات کا ظہور ہوتا رہا دمشق جاتے ہوئے آپ کی شہزادی حضرت سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیچھے رہ گئی تھیں تو آپ کا کٹا ہوا سر اقدس آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ مولانا نے مزید فرمایا یزید پلید نے جس شقاوت قلبی کا مظاہرہ کیا حضرت امام حسین کے سر اقدس کے لبوں اور زبان پر گستاخانہ حرکت کی تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ خطیب موصوف نے کہا کہ کربلا کی پوری تاریخ دو حصوں پر مشتمل ہے حضرت امام حسین کی شہادت تک ساری قیادت و امامت ان کے ہاتھ میں تھی مگر اس کے بعد ساری قیادت امیر المومنین شیر خدا حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لخت جگر شہزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنبھالی آپ نے جس عزیمت واستقامت کا مظاہرہ فرمایا پردہ نشین رہتے ہوئے جس طرح خطبات ارشاد فرمائے سچ یہ ہے کہ انہوں نے باب علم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہزادی ہونے کا حق ادا فرمایا آج جو تاریخ کربلا ہمارے سامنے موجود ہے اس میں بہت بڑا کردار حضرت زینب کا ہے۔

جلسہ کا آغاز قاری شمیم اشرف کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا بعدہ غلام ربانی ابراہیم پوری اور کلام الدین نے بارگاہ رسالت و امامت میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ صدارت مولانا محمد شہاب الدین استاذ اشرفیہ انٹر کالج اور نظامت حافظ محمد شاہد نے کی۔

اس موقع پر مولانا سید طہور احمد، مولانا محمد اشرف، مولانا حافظ نفیس احمد، مولانا محمد دانش، الحاج مختار احمد مبلغ، حاجی محمود اختر نعمانی، حاجی جمال اختر نعمانی، حاجی اشفاق احمد، حاجی محمد حاتم، محمد اختر نعمانی سمیت کثیر تعداد میں لوگ موجود تھے۔

از: رحمت اللہ مصباحی نمائندہ روزنامہ انقلاب مبارک پور